جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

ستمبر ۱۹۹۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۲ ربیع الاوّل ۱۴۱۵ھ ۔ ستمبر ۱۹۹۴ء شمارہ : ۱۲

مدیر

سیّد محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰روپے	سالانہ ۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ...	″ ۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش	″ ۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ	″ ۱۶ ڈالر
برطانیہ	″ ۱۷ ڈالر

◯ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ - ۲۰۹۰۵۲

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ———————— ۳

درسِ قرآن ———— حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ ———— ۵

درسِ حدیث ———— حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ———— ۱۰

نعت شریف حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب مدظلہ، ۱۴

سیرۃِ مُبارکہ ——— حضرت اقدس مولانا سیّد محمّد میاں ——— ۱۵

سکونِ قلب ———— حمیرا بنت قاضی محمد یعقوب ———— ۱۹

گردیز کے محاذ پر ———— ڈاکٹر محمود عارف صاحب ———— ۲۵

مولانا عبیداللہ سندھی کی کُتبِ تفسیر ——— ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری ۳۶

"اصلاح مفاہیم" پر ایک نظر ——— ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ——— ۴۴

حاصلِ مطالعہ ———— مولانا نعیم الدّین صاحب ———— ۶۲

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد۔یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلّی علی رسولہ الکریم

اما بعد! کسی بھی چھوٹی بڑی جماعت کے کردار کی بلندی و پستی کا معیار اس کے بڑے لوگ ہُوا کرتے ہیں جس طرح دیگ کے ایک چاول سے پُوری دیگ کا اندازہ لگا لیا جاتا ہے اسی طرح قوموں کے چند اشخاص سے پُوری قوم کا اندازہ لگا لیا جاتا ہے۔ اگر وہ اعلیٰ اخلاق پاکیزہ کردار کے حامل ہوں تو سمجھا جاتا ہے کہ یہ قوم بھی ایسی ہی ہے۔ اور اگر وہ اس کے برعکس پست اخلاق پراگندہ کردار کے مالک ہوں تو پُوری قوم کو بھی ایسا ہی قیاس کیا جاتا ہے۔ کیونکہ قوم اس کی ذمّہ دار ہوتی ہے اس لیے کہ اس نے ہی ان لوگوں کو منتخب کر کے اپنا مقتدا و پیشوا بنایا ہوتا ہے، لہٰذا جس مزاج کی قوم ہوگی اُسی مزاج کے لوگوں کو منتخب کرے گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ جیسے تمہارے اعمال ہونگے ویسے ہی تمہارے حکام ہوں گے، چنانچہ اس حدیثِ پاک کو معیار بناتے ہُوئے اگر ہم من حیث القوم اپنا جائزہ لیں تو بالکل واضح نتیجہ ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ من حیث القوم اس وقت ہم اللہ رسول کی باغی ایک بدترین قوم ہیں جس کی عملی تصویر کچھ ہی روز پیشتر پُوری قوم یومِ آزادی کے موقع پر جشن کی صورت میں پیش کر چکی ہے۔ اس موقع پر قومی سطح پر جس بے حیائی و فحاشی فضول خرچی و شاہ خرچی کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس سے اس بات کا اندازہ لگانا کچھ مشکل

نہیں کہ ایک مُسلم قوم آزادی جیسی نعمت کے مفہوم سے کس قدر عاری اپنے مقصدِ اصلی سے کتنی دُور جا پڑی ہے۔ ان بیہودہ تقریبات کی سرپرستی قوم کی دو بڑی نمائندہ جماعتوں نے کی اسلام آباد میں پیپلز پارٹی جبکہ ملک کے سب سے بڑے صُوبہ پنجاب میں مسلم لیگ ان پروگراموں کا کرتا دھرتا تھی۔ مسلم لیگ (ن) نے بھی غیر سرکاری طور پر بھرپُور حصّہ لیا اگرچہ سرکاری پروگراموں میں شرکت سے انکار کیا اور یہ انکار کسی خداخوفی کی بُنیاد پر نہیں بلکہ باہمی سیاسی چپقلش کی بنا پر تھا!

اس موقع پر ہونا یہ چاہیے تھا کہ قومی قائدین قوم کو ساتھ لے کر آزادی کی نعمت پر اللہ کے دربار میں سجدہ شُکر بجالاتے اور نصف صدی سے اللہ اور رسول کے نظام سے بغاوت اور انگریز ملعون کے ظالمانہ نظام کو سینہ سے لگائے رکھنے کے جرم سے تائب ہوتے اور قوم کو اسلام کے عادلانہ نظام کا تحفہ پیش کرکے اپنی دُنیا بھی سُنوارتے اور آخرت میں اللہ رب العزّت کے حضور سرخرو رہتے۔

وما علینا الا البلاغ

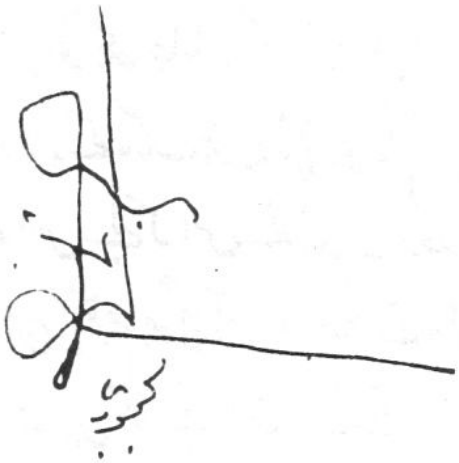

درسِ قرآن حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ۛ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ۝ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۝ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝

ترجمہ: اور کیا نہیں دیکھتے ہو اڑتے جانوروں کو اپنے اوپر پر کھولے ہوئے اور پر جھپکتے ہوئے ان کو کوئی نہیں تھام رہا رحمان کے سوائے اس کی نگاہ میں ہے ہر چیز بھلا وہ کون ہے جو فوج ہے تمہاری، مدد کرے تمہاری رحمٰن کے سوائے منکر پڑے ہیں بُرے بہکائے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی کوئی نہیں پر اڑ رہے ہیں۔ شرارت اور بدکنے پر۔ بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ کے بل وہ سیدھی راہ پائے یا وہ شخص جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر۔

حق تعالیٰ کی مملکت کے تین علاقے ہیں

مَیں نے کل عرض کیا تھا کہ حق تعالیٰ کی مملکت کے تین علاقے ہیں جو اس سورۃ میں بیان فرمائے گئے ہیں ایک سمٰوٰت، آسمان اور اس کی مخلوق اور اس پر حکمرانی کا انداز اور ایک زمین اور زمینی مخلوق اور اس پر حکومت کا انداز اور ایک جَوّ اور فضا جو آسمان اور زمین کے درمیان میں ہے اس پر حکمرانی کا طریق، تو دو علاقوں کے بارے میں مَیں نے بقدرِ ضرورت تفسیر عرض کی۔ آج یہ تیسرا علاقہ ہے جَوّ اور فضا کا جس کو شروع کیا گیا ہے اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقْبِضْنَ اور اس کی بنا یہ ہے کہ زمینی مخلوق میں انسانوں کو توجّہ دلائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی حکومت کو مانیں اور اُس کے قانون پر چلیں اگر ایسا نہیں کریں گے تو ان پر بلیّات اور فتنے برسیں گے اور وہ مصائب میں مُبتلا ہوں گے۔ منجملہ ان کے دو چیزیں بیان فرمائی گئی تھیں کہ کیا تم آسمان والے سے مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ گے، اس میں کہ زمین تمہیں دھنسا دے اور خسف کر دیے جاؤ یا یہ کہ آسمان سے پتّھر برسا دیے جائیں اور اُن سے پتھراؤ ہو جائے انسانوں پر، اس پر انسان اگر سلامتی کے ساتھ غور کرے اور اطاعت شعاری کے جذبے سے غور کرے تو بات بالکل سیدھی اور صاف ہے۔

انسان میں یہ روگ ہے کہ وہ اللہ کے احکام میں خود رائی کو دخل دیتا ہے

مگر انسان میں ایک روگ یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام میں خود رائی کو دخل دیتا ہے اور اُس خود رائی کا منشاء ہوتا ہے اپنی دی ہوئی عقل، تو عقل تو دی گئی تھی اس لیے کہ اللہ کے احکام کو سمجھے اور غور کرے اور کوئی شُبہہ پیش آئے تو عقل سے اس شُبہہ کو صاف کرلے اس نے عقل کو استعمال کیا معارضہ میں اور حق تعالیٰ کے مقابلہ میں عقل کو ذریعہ بنایا اللہ کے احکام میں طرح طرح کے شُبہات نکالنے کا، شکوک پیدا کرنے کا اور اس میں اُلجھنے کا، تو قلب موضوع ہو گیا، دی گئی تھی عقل اس لیے کہ سمجھے احکام کو اور کوئی شُبہہ طبعی طور پر پیش آئے تو عقل سے اس کو دفع کرلے، اس نے کیا یہ کہ عقل کو لڑائی کا ذریعہ بنایا اللہ سے، اور اس کے احکام میں طرح طرح کے شکوک اور شُبہات نکالنے شروع کیے اور معارضہ شروع کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ گویا یہ احکام معاذ اللہ عقل کے خلاف

ہیں۔ پھر میں کیوں مانوں اُنھیں۔

انسان نے عقل کو اللہ کے مقابلے میں استعمال کیا حالانکہ وہ اسے اسکی اطاعت کیلئے دی گئی تھی۔

تو اپنی برأتِ ذمہ کے لیے اس نے عقل کو استعمال کیا حق کے مقابلہ میں، حالانکہ عقل دی گئی تھی حق کی اطاعت کے لیے کہ پوری طرح سے سمجھو تو یہاں بھی انسان نے یہی کیا کہ جب فرمایا کہ ہم آسمان سے پتھر برسادیں گے تو اس نے کہا بھلے یہ کیسے ہوسکتا ہے پتھر تو ایک وزنی چیز ہے اور وزندار چیز ہمیشہ نیچے کی طرف کو آتی ہے زمین مرکزِ ثقل ہے اور وہ اپنی طرف کھینچتی ہے اسے اُوپر نہیں جانے دیتی تو آسمان میں پتھر کہاں ہیں اور وہاں سے برسیں یہ عقل کے خلاف ہے کہ وزنی چیزیں اُوپر جائیں حالانکہ اگر وہ اس پر غور کرتا کہ جس خالق نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں اور ان میں طبعی رفتار رکھی ہے تو طبیعت کا پیدا کرنے والا بھی تو وہی ہے اگر وہ بدل دے طبیعت کو تو اس کے اختیار میں ہے اتنا تو اس کا اختیار سمجھا کہ وہ طبیعت کے مطابق بنادے اور یہ نہ سمجھا کہ طبیعت کے خلاف کرے۔

جو طبیعت کا خالق ہے وہ طبیعت کو اس کے خلاف بھی چلا سکتا ہے

حالانکہ جو خالق ہے طبیعت کا وہ طبیعت کو اِدھر بھی چلا سکتا ہے اُدھر بھی چلا سکتا ہے، طبیعت کے خلاف کرے، تو طبیعت اس پر حاکم تو نہیں ہے حاکم تو وہ ہے طبیعت کے اُوپر۔ ایک درخت جب پیدا ہوتا ہے اور آپ منوں مٹی کے نیچے بیج ڈال دیتے ہیں اس بیج میں سے کونپل نکلتی ہے کونپل اتنی کمزور ہے کہ اگر چٹکی سے مسلیں تو مسل دی جائے، لیکن اللہ نے اس کو اتنا طاقتور بنایا کہ منوں مٹی کے جگر چیر کر وہ اُوپر کی طرف آتی ہے، حالانکہ طبیعت یہ تھی کہ نیچے کی طرف کو جائے، پتے کو اگر آپ چھوڑیں گے تو وہ نیچے جائے گا اُوپر نہیں جائے گا، لیکن وہی پتّا جب بیج سے نکلتا ہے تو وہ جاتا ہے اُوپر کی طرف، اوّل تو منوں مٹی کو چیرتا ہے اس کے جگر کو شق کر کے باہر نکلتا ہے پھر باہر نکل کر بھی یہ نہیں کہ نیچے کی طرف جائے وہ چڑھ کر آسمان کی طرف جاتا ہے اور ایک بڑا تناور درخت بن جاتا ہے یہ طبیعت کو کس نے بدل دیا طبیعت تو

یہ چاہتی ہے کہ درخت نیچے کی طرف آئے لیکن نیچے کے بجائے اُسے اُوپر کی طرف لے گئے تو قدرت ہے مالک کی وہ اس طبیعت کے خلاف حکم جاری کردے۔ طبیعت کو اپنے خلاف چلنا پڑے گا طبیعت کے موافق اگر حکم دے موافق چلنا پڑے گا۔ طبعی چیز یہ ہے کہ آدمی اگر نقش و نگار بنائے تو کاغذ پہ بنا سکتا ہے۔ پتھر پہ بنا سکتا ہے، لکڑی پر نقش و نگار بنا سکتا ہے ــــــــ لیکن کیا یہ کسی کو قدرت ہے کہ پانی کے اُوپر نقاشی کردے؟ مگر اس کی قدرت یہ ہے کہ ایک گندے پانی کے قطرے کے اُوپر ایسے نقش و نگار بناتا ہے کہ انسان بن جاتا ہے تو ایک پانی کے قطرے پر نقاشی کرنا یہ آپ کی طبیعت کے خلاف ہے لیکن اللہ کی قدرت کے تو خلاف نہیں تو جب قدرت والے کو قدرت والا مان لیا تو مان کر پھر اُسے مقید کرنا کہ آپ اِدھر کو چلیں اِدھر کو نہ چلیں یہ انسان کی کج فطرتی کی بات ہے ورنہ وہ یُوں کہتا کہ طبیعت کو چلا دیا ادھر یہ بھی اس کی قدرت ہے اور طبیعت کو اس کے خلاف چلا دیا یہ بھی اس کی قدرت ہے پتھروں کو نیچے ڈال دے یہ بھی اس کی قدرت ہے اور اُوپر اُٹھا کر لے جائے یہ بھی اس کی قدرت ہے تو پہلے تو غور کرنا چاہیے تھا عقل سے مگر عقل کو مقابلہ پہ استعمال کیا اللہ کی قدرت کے، اور اپنی موافقت کے گویا عقل میری ہے اور میری تائید کرے گی آپ کے خلاف کرے گی اور یہ نہ جانا کہ عقل بھی اُنہی کی پیدا کی ہُوئی اور تم بھی انہی کے پیدا کیے ہُوئے تمہیں حق کیا ہے کہ مالک کے خلاف چلو اور اپنے آلات اور قویٰ کو اُس کے خلاف میں استعمال کرو، تو یہ تو ہے ایک عقلی چیز۔

عقلی شُبہہ کے دو جواب دیے گئے

لیکن حق تعالیٰ نے جواب دیا دو طرح پر ایک تاریخ پیش کی، اور ایک حِسّی مثال پیش کی، تاریخ کی طرف تو اشارہ کیا وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ پچھلوں نے بھی اعتراضات کیے لیکن پچھلوں پر تاریخ شاہد ہے کہ پتھر برسائے گئے لوط علیہ السّلام کی قوم پر پتھّر برسا دیے گئے۔ ایک تاریخی واقعہ ہے اور سچّی تاریخ ہے اور سچّائی سے بیان کیا گیا ہے تو اسی کو دیکھ کر عبرت پکڑو تھوڑی سی کہ جس نے ایک قوم پر برسا دیا پتھّروں کو وہ آج بھی برسا سکتا ہے، گنہگار جب بھی تھے اور آج بھی ہیں، تو جس نوع کے گناہ پر پچھلے دَور میں پتھّر برس سکتے ہیں اسی دَور میں اسی قسم کے گناہ پر آج کے دَور میں کیوں نہیں برس سکتے۔

اللہ کے فضل اور نبی علیہ السّلام کی رحمت کے طفیل یہ اُمّت عام عذابوں میں مبتلا نہیں کی گئی۔

یہ تو رحمۃ للعالمینی کا فضل ہے اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رحمتِ عامہ کا فضل ہے کہ اس قسم کے عام عذابوں میں اُمّت کو مُبتلا نہیں کیا گیا، لیکن اس کی نفی بھی نہیں کی گئی کہ اگر ضرورت پڑی تو اس اُمّت پر بھی ہم عذاب نازل کریں گے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے لَیْسَ عَذَابُ اُمَّتِیْ اَلْخَسْفُ وَالْمَسْخُ وَالرَّجْمُ اِنَّ عَذَابَ اُمَّتِیْ اَلْفِتَنُ وَالْقَتْلُ والزَّلَازِلُ میری اُمّت کا عام عذاب یہ نہیں ہوگا کہ اُن کی صُورتیں مسخ کر دی جائیں جیسے پچھلی اُمّتوں کو بندر بنا دیا گیا۔ بعضوں کو خنزیر بنا دیا گیا اس اُمّت پر یہ رحمت ہے کہ عام طور سے نہیں ہوگا لیکن جزوی طور پر اگر ہوجائے کسی کو مسخ کرکے خنزیر کی صُورت بنا دیا جائے یا کسی کو بندر کی صُورت دے دی جائے تو یہ آج بھی ممکن ہے اور واقعات پیش آئے ہیں،

قرآن مجید کی توہین کا عبرت انگیز واقعہ، ایک عورت کی شکل خنزیر کی شکل سے بدل دی گئی۔

ابھی پچھلے دنوں آپ نے سُنا ہوگا کہ اخبارات میں ایک واقعہ آیا بھوپال میں یہ قصّہ گزرا اور وہ یہ کہ ایک عورت کے اولاد نہیں ہوتی تھی تو اُس نے کسی سادھو سے رجوع کیا اور کہا کہ کوئی تدبیر ایسی بتلائیے کہ میرے اولاد ہوجائے، اُس کم بخت نے کہا کہ قرآن شریف کو نیچے رکھ کے اس کے اُوپر بیٹھ کر تو غُسل کر تو تیرے اولاد ہوجائے گی حالانکہ وہ مُسلمان عورت تھی، لیکن بعض دفعہ عورتیں اولاد کی طمع میں اللہ اور رسول کو چھوڑ دیتی ہیں اور اس قسم کے ٹونے اور ٹوٹکوں میں مُبتلا ہوجاتی ہیں اس ظالم نے یہ حرکت کی اور ایمان کو پسِ پشت ڈال کر قرآن شریف پر بیٹھی اور وہاں سے اُٹھ کر جب آئی ہے تو اُس کی صُورت خنزیر کی سی تھی۔ بال وال تو سر پر تھے جس سے یہ پہچانا گیا کہ وہ انسان تھی لیکن شکل مسخ ہوگئی۔ یہ اخبارات میں بھی آیا واقعہ اور بعضوں کو شُبہہ ہے کہ صاحب اخبار میں کیوں اس واقعہ کو لکھ دیا اس سے تو معاذ اللہ اسلام کی توہین ہوئی کہ ایک مُسلمان بدک گیا۔ مَیں کہتا ہوں کہ قرآن شریف میں واقعات اس قسم کے کیوں بیان کیے کہ پچھلی اُمّتیں مومن ہوتے ہوئے جب حق کے مقابلہ پہ آئیں تو اُنہیں خنزیر کی صُورت دے دی گئی اگر

(بقیہ بر صفحہ ۳۴ پر)

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر انوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں مجلسِ ذکر منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں انہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالۂ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ اب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است　　خم و خمخانہ با مہرو نشان است

کیسٹ نمبر ۵، ۲۰ نومبر ۱۹۸۱ء

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا اَشْفَیْتُ عَلَی الْمَوْتِ فَاَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُنِیْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ مَالًا کَثِیْرًا وَلَیْسَ یَرِثُنِیْ اِلَّا ابْنَتِیْ اَفَاُوْصِیْ بِمَالِیْ کُلِّہٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَثُلُثَیْ مَالِیْ قَالَ لَا، قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا، قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ اِنَّکَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَکَ اَغْنِیَآءَ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ تَذَرَھُمْ عَالَۃً یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ وَاِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَۃً تَبْتَغِیْ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ اِلَّآ اُجِرْتَ بِھَا حَتَّی اللُّقْمَۃَ تَرْفَعُھَآ اِلٰی فِیْ امْرَأَتِکَ [1]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فتح مکّہ کے سال اتنا سخت بیمار ہُوا کہ موت کے کنارے پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میری عیادت کے لیے تشریف

---

[1] مشکوٰۃ، ص: ۲۶۵۔

لائے، مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میرے پاس بہت سا مال ہے مگر ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے تو کیا مَیں اپنے سارے مال کے بارے میں وصیّت کر جاؤں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ دو تہائی مال کے بارے میں وصیّت کر دوں؟ آپ نے فرمایا، نہیں، مَیں نے عرض کیا کہ آدھے مال کے بارے میں وصیّت کر دوں؟ فرمایا، نہیں، میں نے عرض کیا کہ تہائی مال کے بارے میں وصیّت کر دوں؟ فرمایا ہاں تہائی مال کے بارے میں وصیّت کر سکتے ہو۔ اگرچہ یہ بھی بہت ہے اور یاد رکھو کہ تم اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑ کر جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلس و قلاش چھوڑ کر جاؤ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں اور جان لو کہ تم اپنے مال کا جو حصّہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے جذبہ سے خرچ کرو گے تمہیں اس خرچ کرنے پر ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ تمہیں اس لقمے کا بھی ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے مُنہ میں دو گے۔

ورث کے لیے تہائی مال سے زیادہ کی وصیّت کرنا جائز نہیں

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس سال مکہ مکرمہ فتح ہُوا اُس سال میں بیمار ہو گیا اور بیماری اتنی بڑھی کہ اَشْفَیْتُ عَلَی الْمَوْتِ میں موت کے قریب ہو گیا۔ فَاَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُنِیْ۔ میرے پاس جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے بیمار پُرسی کے لیے، مَیں نے عرض کیا اِنَّ لِیْ مَالًا کَثِیْرًا میرے پاس مال ہے زیادہ اور میری وارث میری بیٹی ہے بس، اور ورثا میں ہی نہیں ایک بیٹی ہے۔ بیٹی کی تو کوئی خاص بات نہیں ہوتی۔ گزارہ کر لے گی۔ شادی ہو جائے گی۔ اَفَاُوْصِیْ بِمَالِیْ کُلِّہٖ تو میرا مال جو ہے سبھی بچے گا تو کیا میں اپنے سارے مال کی وصیّت کر دوں کہ خُدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے، جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرما دیا۔ مَیں نے کہا کہ دو تہائی مال کے بارے میں وصیّت کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ مَیں نے کہا آدھے کے بارے میں کر دوں۔ فرمایا نہیں، تو مَیں نے کہا کہ تہائی کی وصیّت کر دُوں تو فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے ثُلث ایک تہائی مال یہ وصیّت کر سکتے ہو اور یہ بھی بہت ہے وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ یہ بھی بہت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو نظام رکھا ہے وہ غیر معمولی طور پر کہیں کہیں ہٹتا ہے ورنہ وہ نظام جاری رہتا ہے۔ یہ نظام خُداوند کریم نے رکھا ہے کہ ایک سے

دوسرے کو سہارا لگتا رہے۔ اگرچہ مُسَبِّبُ الْاَسْبَابْ اور رازقِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، لیکن ظاہری اسباب ملحوظ رکھنے یہ بھی واجب ہے۔ مثلاً ایک تہائی میں وصیّت فرمائی کہ کردو ایک تہائی، اور باقی دو تہائی یہ ورثاء کو پہنچنا چاہیے اگر کوئی کہے کہ اُن کا خُدا مالک ہے، مجھے تو دے دینا چاہیے سارا کچھ، اگرچہ اس کی یہ بات حق ہے، صحیح ہے، اپنی جگہ حقیقت کے مطابق ہے، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے جو نظام یہاں رکھا ہے اُس نظام کے خلاف ہے۔ اس واسطے اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

آدمی کے مال چھوڑ کر دُنیا سے جانے میں بھی بہتری ہے

اور پھر یہ فرمایا کہ یہ جو ہوتا ہے کہ آدمی مال چھوڑ جاتا ہے اور بعد میں ورثا اُسے استعمال کرتے ہیں تو اس میں بھی بہتری ہے یہ بھی خدا کو پسند ہے۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَآءَ يا اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَآءَ اپنے وارثوں کو مستغنی چھوڑ کر جاؤ دُنیا سے خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اُن کو بالکل قلاش چھوڑ کر جاؤ محتاج چھوڑ کر جاؤ يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ لوگوں کے ہاتھوں کو دیکھیں یا لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، مانگیں لوگوں سے تو ظاہری اسباب میں جو چیز ہے اس کو اختیار کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ نظامِ عالم میں رکھی گئی ہے۔ کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے جہاں بالکل کوشش کر کے آدمی عاجز آجائے نہ کر سکے کچھ بھی، وہاں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے کام دُعا کی جائے تو وہ از غیب سامان پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اپنی سی کوشش میں کمی کرنا یہ نہیں بتلایا گیا کہیں،

دینی مسائل پر غیر مسلموں کے اعتراض مسائل کو غلط انداز میں پیش کرنے والوں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

اور جتنا اعتراض ہے لوگوں کا (یعنی) غیر مُسلم اور مذہب دُشمن عناصر کا کہ اسلام نے قناعت سکھلائی ہے توکل سکھلایا ہے یہ تو ایسے ہے جیسے افیون کی گولی کھلا دی جائے اور سلا دیا جائے، ترقیوں سے روک دیا جائے تو وہ اعتراض کرتے ہیں اُن لوگوں پر کہ جنہوں نے یہ غلط انداز میں پیش کی بات، حقیقت ایسے نہیں ہے حقیقت تو جو احادیث سے معلوم ہوتی ہے وہ ہی ہوگی نا حقیقت، کسی آدمی کے کچھ کر دینے سے کہ یہ اسلام نے سکھلایا ہے یا میں یہ سمجھا ہوں، یہ بات تو اس کی اپنی بات ہوگی اسلام کی نہیں ہو سکتی۔ اسلام کی تو وہی ہوگی جو قرآن اور حدیث سے بھی ثابت ہو رہی ہو۔ اس میں تو یہی ہے کہ آپ نے اجازت نہیں دی کہ کوئی آدمی مرتے وقت سارا مال خرچ کرے۔ لہٰذا اگر کسی آدمی نے وصیّت کی بھی ہو کہ میرا سارا مال خدا کی راہ میں دے دیا

جائے، تو بھی وہ وصیّت نہیں چل سکتی۔ ورثاء اس کے اگر قاضی کے سامنے چلے جائیں کہ یہ وصیّت ہوئی تھی۔ اس طرح سے فلاں وقت ہمارے مورث نے کی ہے، لیکن ہمیں یہ یہ دُشواری ہے چھوٹے چھوٹے بچّے ہیں پڑھانا ہے لکھانا ہے۔ یہ ہے یہ ہے جو بھی کچھ ہے حال اُن کا، تو پھر قاضی وہ مال قبضے میں لے لے گا اور ایک تہائی دے دے گا۔ دو تہائی اُن کے لیے رکھ لے گا۔ اُس وصیّت کو منسُوخ کر دے گا۔ تو یہ جو چیز ہے اس درجے میں لازمی ہو گئی، یہ ایک جُز بن گیا ہے شرعی تعلیم کا، اور اس میں رَدّ و بدل نہیں کر سکتا انسان اپنی مرضی سے، اِنَّكَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَآءَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ اور پھر ارشاد فرمایا وَاِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِيْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّآ اُجِرْتَ بِهَا جو بھی کچھ تم خرچ کرتے ہو تو اس پر تمھیں اَجر ملتا ہے۔

اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے سے بھی اَجر ملتا ہے

اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے میں بھی اجر ملتا ہے اِلَّآ اُجِرْتَ بِهَا اور ایسی چیزوں میں بھی اجر ملتا ہے کہ جس میں انسان کو گمان بھی نہ ہو کہ اجر مل رہا ہوگا۔ کوئی بیمار ہو گیا اُسے پانی پلا رہا ہے، کوئی بیمار ہو گیا اسے کھانا کھلا رہا ہے۔ بیوی بیمار ہو گئی اسے کھانا کھلا رہا ہے اس میں کوئی خیال نہیں ہوتا اجر کا دھیان ہی نہیں جاتا مگر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اِلَّآ اُجِرْتَ بِهَا حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا اِلٰى فِيْ اَمْرَاَتِكَ اگر لقمہ اُٹھا کر دے دیں تو اس عمل پر بھی تمہیں ثواب ملے گا ابھی لقمہ کمائی سے تو بنا ہی ہے وہ، لیکن یہ عمل جو ہے اُٹھا کر کھلا دینا چمچے سے یا کسی اور چیز سے اس عمل پر اجر ہے اس نے اپنا وقت صرف کیا اور اس نے دل داری کی ہے، اس نے بیمار کی خدمت کی ہے یعنی طرح طرح کی جتنی قسمیں بن جائیں گی اُتنی قسم کا اجر بن جائے گا آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رہنا، بسنا، معاملات ٹھیک رکھنے یہ ساری چیزیں سمجھائی ہیں بتلائی ہیں۔ سکھلائی ہیں، ان سب کو واجب قرار دیا ہے اور ایک جامع چیز ہے اسلام، بلکہ سب سے زیادہ جامع ضابطۂ حیات ہے نہ تو کسی کے قانون میں اتنے ضابطے ہیں دُنیا کے اور نہ کسی مذہب میں اتنے ضابطے ہیں جتنے کہ اسلام نے بتلائے ہیں اور تمام چیزوں میں، ہر کام میں اجر رکھ دیا ہے وہ کام جو عبادۃً کرتا ہے اس میں بھی اجر رکھ دیا ہے اور جو کام عادۃً کرتا ہے اس میں بھی

(بقیہ برصفحہ ۴۲ پر)

سیّد نفیس

نعت

اللھم صل علی النبی الامی

چھا رہی ہے گھٹا مدینے کی
آ گئی رُت پلانے پینے کی

نہیں حسرت زیادہ جینے کی
زندگی چاہیے قرینے کی

زندگی اس کی، موت اس کی ہے
خاک ہو جائے جو مدینے کی

رات دن شغلِ مے گساری ہے
رَمضاں عید ہے مہینے کی

مَے افرنگ میں وہ بات کہاں
لا مرے واسطے مدینے کی

ساقیا چھوڑ ساغر و مینا
اَب پلا دل کے آبگینے کی

ختم ہے سلسلہ نبوّت کا
مہر ہے ہاشمی نگینے کی

ہفت اِقلیم سے ہے بیش بہا
خاک چٹکی سی اِک مدینے کی

ہفت قلزم کے موتیوں سے گراں
بُوند اِک اِک ترے پسینے کی

(قسط: ۲۴)

یثرب میں ورودِ مسعود

حضرۃ الشیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اوراق

بالائی منزل میں قیام

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے مکان کی دو منزلیں تھیں۔ آپ نے نیچے کی منزل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے خالی کر دی۔ خود اُوپر چلے گئے۔ ایک روز اتّفاق سے اُوپر کی منزل میں پانی کا برتن (گھڑا یا مٹکا) ٹوٹ گیا۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو خدشہ ہُوا کہ پانی نیچے ٹپکے گا اور تاجدار دوجہان (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو تکلیف ہو گی۔ گھر میں ایک لحاف تھا فوراً اسی کو پانی پر ڈال دیا کہ پانی جذب ہو جائے، نیچے نہ ٹپکے[1]

ایک روز خیال آیا کہ سردار دوجہان (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نیچے ہیں اور ہم اُوپر، کیسی بے ادبی ہے؟ فوراً ایک کنارے سمٹ گئے اور اسی طرح رات گزار دی۔ صبح کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے درخواست کی کہ اُوپر قیام فرمائیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ آنے جانے والوں کو اسی میں آسانی ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے دست بستہ عرض کیا۔

لَا اَعْلُوْ سَقِیْفَۃً اَنْتَ تَحْتَھَا[2] میں تو اس چھت پر چڑھ نہیں سکتا جس کے نیچے حضور والا ہوں۔

رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے درخواست منظور فرمائی اور اُوپر منتقل ہو گئے سات ماہ اسی مکان میں قیام رہا، جب مسجد اور حجرے تیار ہو گئے تب آپ وہاں تشریف لے گئے۔ (تفصیل آگے آتی ہے۔ انشاء اللہ)

قصواؔ کا قیام اور حضرت اسعدؓ کا والہانہ جذبہ

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ جو بیعت عقبہ اولیٰ میں شریک تھے اور تبلیغی و تعلیمی کوششوں میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرستادہ معلّم (حضرت مصعب بن عمیرؓ) کے

---

[1] وفاء الوفاء ص۱۸۸ سیرۃ ابنِ ہشام [2] مسلم شریف ص: ۱۸۳، ج: ۲۔

شریک رہے تھے اُن کا مکان بہت وسیع تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا قیام انہیں کے یہاں رہا تھا اُن کے علاوہ اور حضرات بھی جو تشریف لاتے تھے۔ ان کے یہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔

جب اُنھوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قیام حضرت ابو ایّوب رضی اللہ عنہ کے یہاں طے ہوگیا ہے تو ناقہ کی مُہار پکڑ لی اور اپنے یہاں لے گئے[1] کہ یہ بھی ایک شرف اور جذبۂ شوق کو تسکین دینے والی ایک سعادت تھی۔

متعلقین کی آمد مدینہ میں آکر آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع[2] (رضی اللہ عنہما) کو دو اُونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکّہ بھیجا کہ متعلقین کو لے آئیں

صاحبزادیوں میں حضرت رقیہ حضرت عثمان کے ساتھ حبش میں تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اُن کے شوہر ابو العاص بن ربیع نے آنے نہیں دیا بس حضرت زید کے ساتھ اُم المومنین حضرت سودا رضی اللہ عنہا اور دو صاحبزادیاں اُم کلثوم اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما آئیں اُن کے علاوہ حضرت زید اپنی اہلیہ ام ایمن اور اپنے فرزند اسامہ کو بھی ساتھ لے آئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ[3] کو بھی حضرت زید کے

---

[1] طبقات ابن سعد ص: ۱۶۰، ج: ۱ - [2] آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آزاد کردہ غلام تھے قبطی تھے۔

[3] حضرت عبداللہ بن ابی بکر حضرت عائشہؓ کے سوتیلے اور حضرت اسماءؓ کے حقیقی (ماں شریک) بھائی تھے غزوۂ فتح مکّہ اور غزوۂ حنین میں شریک رہے۔ جب غزوۂ حنین کے بعد طائف پر حملہ کیا گیا تو اُن کے ایک تیر لگا اس کا زخم اُوپر سے مندمل ہوگیا، مگر اندر ہی اندر پھوڑا بن گیا۔ تقریباً دو سال تک یہ پھوڑا رہا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات سے تقریباً سات ماہ بعد شوال ۱۱ھ میں حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں پھوڑے کے پھٹنے سے ان کی وفات ہوگئی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کفن کے لیے ایک حُلہ لایا گیا تھا یعنی یمن کی بنی ہُوئی دھاریدار چادروں کا جوڑا مگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کفن سفید سوتی کپڑے کا بنایا گیا۔ یہ حُلّہ کام میں نہیں آیا تو حضرت عبداللہ نے اپنے کفن کے لیے نو دینار میں خرید لیا تھا، لیکن وفات کے وقت وصیّت کر دی کہ اس کا کفن نہ بنایا جائے کیونکہ اگر اس کپڑے کا کفن اچھا ہوتا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کفن اسی کا ہوتا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

ساتھ بھیجا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلقین کو وہ اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اُن کے ساتھ آئیں۔ ان سب کو حارثہ بن نعمان کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔[2]

نیا دور۔ غیر محدود میدانِ عمل

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۃ ۷ الاعراف آیت ۱۵۷)

(اے پیغمبر تم لوگوں سے کہو) اے افرادِ نسلِ انسانی (اے بنی نوع انسان) میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہُوا آیا ہُوں وہ خدا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے لیے ہے۔ (آیت ۱۵۷ سورۃ ۷)

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے اس کو منتخب نہیں کیا گیا تو میں اس کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا یہ تھا نازک احساس عاشقانِ اتباعِ سنّت کا۔ رضی اللہ عنہ (الاستیعاب)

[1] حارثہ بن نعمانؓ جلیل القدر صحابی تھے کسی سائل کو دروازہ سے محروم نہیں جانے دیتے تھے اور جو کچھ دیتے وہ خود اپنے ہاتھ سے دیتے تھے۔ آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تو جہاں اُن کی نشست رہتی تھی وہاں سے دروازہ تک ایک رسی باندھ لی تھی۔ دروازہ میں کھجوروں کا ٹوکرا رکھا رہتا تھا۔ جب سائل آتا تو یہ رسی پکڑ کر دروازہ تک جاتے اور خود اپنے ہاتھ سے فقیر کو دیتے تھے۔ بچّوں نے عرض کیا کہ یہ خدمت ہم انجام دے سکتے ہیں۔ فرمایا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔ مناولة المسكين تقي ميتة اسوء (یعنی مسکین کو خود اپنے ہاتھ سے دینا بُری موت سے محفوظ رکھتا ہے) ایک مرتبہ حضرت جبرئیل امین انسانی شکل میں نزول فرما ہُوئے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو کوئی پیغام پہنچایا۔ حاضرین کو نہ پیغام کی خبر ہُوئی نہ حضرت جبرئیل کی تشریف آوری کی، مگر حضرت حارثہ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا۔ یہ صاحب کون تھے جو آپ سے گفتگو فرما رہے تھے۔ یہ حضرت حارثہ کی مخصوص فضیلت تھی کہ آپ نے حضرت جبرئیل کو دیکھ لیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تعجب بھی ہُوا اور ایک اُمّتی کی اس فضیلت پر مسرّت بھی ظاہر فرمائی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات ہُوئی۔ رضی اللہ عنہ۔ الاستیعاب۔

[2] طبقات ابنِ سعد ص: ۱۶۱، ج: ۱۔

(۱)

وہ آفتاب جو مشرق مکّہ سے طلوع ہُوا تھا جس کی کرنیں اب تک فاران کی چوٹیوں سے ٹکرا رہی تھیں، مدینہ کے خطِ استواء پر پہنچا تو وہ آفتابِ نیم روز تھا۔ ویسے بھی دعوت و تبلیغ کے دس[۱] سال پُورے ہو چکے تھے اور آنے والے سال بھی دس ہی تھے۔

(۲)

اس کا دائرۂ عمل نوعِ انسان کے کسی خاص گروہ[۲] یا طبقہ تک تو کبھی محدود نہیں البتہ ظاہری وسائل و ذرائع کی بُنیاد پر اس کا مخاطب اب تک اُمُّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا[۳] تھا اور اَب اس کا موقف وہ ہے جو وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا[۴] کا مطلع اور مظہر ہے۔

(۳)

سکندرِ اعظم جیسے فاتح عالم کی تاریخ کا پہلا باب یہ ہوگا کہ اُس نے ایسی زبردست فوجی طاقت کس طرح فراہم کی جو فاتح عالم بن سکی۔ اس کی فوج کی خصوصیّات کیا تھیں اور وہ خود کس درجہ کا صاحبِ شجاعت اور صاحبِ حوصلہ تھا۔ لیکن وہ فردِ کامل جو پُوری بنی نوع انسان کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا تھا اس کی تاریخ و سیرت کا پہلا باب یہ ہونا چاہیے کہ وہ کیا اُصول تھے کیا طریقہ کار تھا اور کون سے اخلاق تھے جو وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ[۵] اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی غرض و غایت کو پُورا کر سکے (آنیوالے صفحات میں انہیں سوالات کے جوابات ہیں۔)

وَمَا توفیقی اِلَّا بِاللّٰہ

---

[۱] نبوّت کے ابتدائی تین سال میں دعوت اور تبلیغ کا حکم عام نہیں ہُوا تھا (تفصیل پہلے گزر چکی ہے) [۲] جیسا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السّلام کا دائرہ عمل گروہ بنی اسرائیل تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے بنی اسرائیل ہی کو خطاب کرتے ہُوئے فرمایا تھا۔ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ سورۃ ۶۱ صف آیت ۵ و ۶ [۳] سورۃ ۶ الانعام آیت ۹۲ سورۃ ۴۲ الشوریٰ آیت ۷ ام القریٰ مکہ مِن حولہا جو اس کے اطراف میں ہیں۔ [۴] یعنی آپ کے مبعوث کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پُوری نوع انسان کو (وہ عرب ہوں یا عجم، کالے ہوں یا گورے) ان برکتوں کی بشارت سُنا دو جو ایمان و عمل سے حاصل ہوتی ہیں اور انکارِ حق کے جو بُرے نتیجے ہوتے ہیں ان سے متنبہ اور آگاہ کر دو۔ [۵] سورۃ ۳۴ سبا آیت ۲۸ [۶] آپ کو یہ آخری پیغام دے کر نہیں بھیجا گیا مگر اس لیے کہ رحم کرنا تھا تمام جہانوں پر۔ پس آپ کی ذات سراسر رحمت کیونکہ جو پیغام آپ کے ذریعہ بھیجا گیا وہ سرتاسر رحمت ہے۔

بنت مولانا محمد یعقوب
ناظم جامعہ مدنیہ

سکونِ قلب

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○ (سورۃ الرعد پ ۱۳ ع ۱۱)

خبردار سُنو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی اطمینان پکڑتے ہیں دل۔

سکونِ قلب کیا ہے؟ اطمینانِ قلب یا سکون قلب نام ہے اس کیفیت کا کہ انسان کو نہ تو کسی چیز کے کھونے کا غم ہو اور نہ آئندہ کا اندیشہ ہر حال میں اپنے پروردگار کا شکر بجالائے اور ہمہ وقت اُس کی رضا جوئی اور اسی کی یاد میں لگا رہے اس مضمون کو قرآن مجید میں اللہ رَب العزّت نے یُوں بیان فرمایا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (سورۃ یونس پ ۱۱ ع ۱۲)

خبردار سُنو! بے شک اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں کوئی خوف ہو گا اُن پر اور نہ وہ غم کھائیں گے جو لوگ ایمان لائے اور تھے وہ بچتے (گناہوں سے) ان کے لیے خوشخبری ہے (منجانب اللہ خوف و حزن سے بچنے کی) دُنیا و آخرت کی زندگی میں نہیں کوئی تبدیلی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں یہ وہی ہے بڑی کامیابی۔

ہر شخص پریشان ہے دُنیا کا ہر ذی شعور انسان راحت اور سکون چاہتا ہے ہر کسی کو اس کی طلب اور جستجو ہے لیکن دولت و ہوس پرستی کی چکا چوند کے اس پُرفتن دَور میں راحت و آرام جیسی نعمت بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی میسّر نہیں۔ (اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ)

کوئی آرام و سکون کی تلاش میں اقتدار اور بڑے بڑے عہدوں کا متلاشی ہے۔ کوئی دولت کا پرستار ہے کوئی گھر بنانے کی فکر میں ہے تو یُوں تو وسائل و ذرائع کے اعتبار سے سب مختلف ہیں۔

لیکن مقصدیت میں سب ایک چیز کے جویا و شیدا ہیں۔ یُوں تحصول سکون قلب کی خاطر ظاہری دینوی وسائل مہیّا کرنے میں ہر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں ہے کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مجھے راحت اور خوشی تخت و تاج اور بادشاہت و وزارت سے ملے گی کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مجھے سکون دولت کے (انبار) سے ملے گا۔ کوئی خیال باندھتا ہے کہ مجھے قلبی اطمینان گھر کے بسانے اور بچّوں کی معصوم شرارتوں سے ملے گا، لیکن جب یہ سب مادی و عارضی وسائل حاصل ہو جانے پر بھی اسے اپنا اصل مقصود "سکون قلب" نصیب نہیں ہوتا تو مزید حیران و سرگرداں ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خُوب کہا ہے۔

؎ کسی کو رات دن سرگرم فریاد و فغاں پایا
کسی کو فکر گوناگوں سے ہردم سرگراں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا
بس اک مجذوب کو اس غمکدہ میں شادماں پایا

پریشانی و اضطراب کا سبب

پریشانیاں اہل اللہ پر بھی آتی ہیں اور فاسقوں اور فاجروں پر بھی آتی ہیں۔ لیکن اہل اللہ پر پریشانیاں ترقّی درجات اور آزمائش کے لیے آتی ہیں اور دُنیاداروں پر تکلیفیں اور مصیبتیں اُن کے گناہوں اور اللہ اور اُس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بغاوت کی وجہ سے آتی ہیں اور یہ مضمون متعدّد آیات و احادیث میں بیان ہُوا ہے ایک جگہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى (سورۃ طٰہٰ پ۱۶ ع ۱۶)	اور جو شخص میری نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لیے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے دن، ہم اس کو اندھا کر کے (قبر سے) اُٹھائیں گے وہ (تعجب سے) کہے گا اے میرے رب آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا میں تو آنکھوں والا تھا (دُنیا میں) ارشاد ہوگا اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس میری نشانیاں پس بھلا دیا تُو نے اُن کو اور اسی طرح آج کے دن تو بھلا دیا گیا۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (سورۃ الشوریٰ ع ۴)

اور جو پہنچتی ہے (اے گنہگارو) تمھیں کوئی مصیبت پس وہ اس سبب سے جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور درگزر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۃ الانعام پ ۷ ع ۱۱)

پھر کیوں نہیں وہ گڑگڑائے جب آیا اُن کے پاس ہمارا عذاب اور لیکن سخت ہو گئے اُن کے دل اور سجایا اُن کے لیے شیطان نے ان کاموں کو جو تھے وہ کرتے پس جب وہ بھول گئے جو وہ نصیحت کیے گئے اس کی کھول دیے ہم نے دروازے ہر چیز کے اُن پر یہاں تک کہ جب وہ اترانے لگے اس پر جو وہ دیے گئے پکڑا ہم نے اُن کو اچانک پس اس وقت وہ مایوس ہونے والے تھے۔ پس کاٹ دی گئیں جڑیں اُن کی جو ظلم کیا اُنھوں نے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جو پالنہار ہے تمام جہانوں کا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرے گا اُس پر دُنیا کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔ ہر طرف سے ناموافق حالات کا سامنا کرنا پڑے گا اور سب کچھ ہونے کے باوجود وہ پریشان رہے گا اور آخرت میں اسے اندھا کر کے اُٹھایا جائے گا اور یہ اس لیے ہو گا کہ دُنیا میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام و فرائض سے اندھا بنا ہُوا تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔

اِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ (مشکوٰۃ)

گناہ سے بچ پس بے شک گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا نزول ہو جاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ: اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا مَالِكُ

اور روایت ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اُنھوں نے (قال) فرمایا حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے: بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں ہوں تمام مخلوق کا معبود میرے سوا کوئی معبود نہیں

اَلْمُلُوْكِ وَمَلِكُ الْمُلُوْكِ قُلُوْبُ بادشاہوں کا مالک اور سلطانوں کا سلطان ہوں۔
الْمُلُوْكِ فِيْ يَدِيْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَآ بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں۔ اور بے شک
اَطَاعُوْنِيْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ عَلَيْهِمْ بندے جب اطاعت کرتے ہیں میری تو بادشاہوں
بِالرَّحْمَةِ وَالرَّاْفَةِ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِيْ کے دل رحمت اور مہربانی کے ساتھ ان کی طرف پھیر
حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ وَالنَّقْمَةِ دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں
فَسَامُوْهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ فَلَا تو بادشاہوں کے دل غصّہ اور سختی کی طرف مائل کر دیتا
تَشْغَلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَآءِ عَلَى الْمُلُوْكِ ہوں پس وہ پہنچاتے ہیں ان کو برا عذاب پس مت
وَلٰكِنْ اَشْغِلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ تم بددعا کرو بادشاہوں کے لیے بلکہ میری یاد میں
وَالتَّضَرُّعِ كَيْ اَكْفِيَكُمْ لگے رہو اور میرے سامنے گڑگڑاتے رہو میں تمہارے
(ابو نعیم فی الحلیہ) لیے کافی ہوں گا

پریشانیوں سے نجات کا آسان طریقہ حضرت انسان نے دنیوی شان و شوکت اور اس کی عارضی خوشیاں حاصل کرنے کے لیے دُنیا کی لذّتوں اور عیش و عشرت کے بڑے سامان اکٹھے کیے۔ دولت کے انبار لگا لیے۔ عالی شان حویلیاں اور کوٹھیاں تعمیر کرائیں چہل قدمی و ہوا خوری کے لیے بڑے بڑے وسیع و عریض پارک بنائے۔ زمین و آسمان کی وسعتوں کو ماپنے کے لیے کاریں اور ہوائی جہاز تک خرید لیے۔ کئی کئی شادیاں کیں۔ درجنوں معصوم بچّوں کا باپ بن بیٹھا۔ بادشاہت و وزارت کی کُرسی بھی آزما دیکھی مگر حقیقی خوشی اور سکون قلب اسے آج بھی میسّر نہیں۔ اس کا دل آج بھی مضطرب و بے چین ہے۔ نرم و گداز ریشمی گدیلے آج بھی اسے گھاس پھونس کے بچھونے سے زیادہ اذیّت پہنچا رہے ہیں۔ یہ تمام ذرائع انسان کو حقیقی سکون نہ دے سکے جبکہ انسان سکون دل کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ اَب خُدا کی طرف سے پُکار آتی ہے۔

اے میرے بندے!
تُو نے دولت کے انبار لگا لیے مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
تُو نے رقص و سرود کی محفلیں سجائیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔

تُو نے جوئے اور سٹے کا بازار گرم کیا مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
تُو نے مینا و ساغر کا استعمال کر دیکھا مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
تو چاند اور ستاروں پر جا پہنچا مگر تجھے سکون نہ مل سکا۔
اے بھولے بھٹکے مسافر!
مَیں تیرا رَبّ ہُوں تُو میرے دروازے پر آ مَیں تجھے بتاتا ہُوں کہ نہ تو سیم و زر کی چھنا چھن تجھے سکون دے سکتی ہے نہ رقص و سرود تیری بیماریوں کا علاج ہے۔ نہ منشیات کا استعمال تیرے قلب و دماغ کو سکون دے سکتا ہے۔ اگر تجھے سکون مِلا تو میری یاد کی چھاؤں میں ملے گا۔ میرے ذکر کی خوشبُو سے ملے گا۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا ○

وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور کیں اُنھوں نے نیکیاں البتّہ ضرور بالضرور خلیفہ بنائے گا اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں جیسا کہ خلافت دی اُس نے اُن لوگوں کو جو اُن سے پہلے تھے اور البتّہ ضرور بالضرور ٹھکانا دے گا اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے دین میں جو پسند فرمایا اُس نے اُن کے لیے اور البتّہ ضرور بالضرور تبدیل کرے گا اُن کو اُن کے خوف کے بعد امن میں

(سورۃ النور پ ۱۸ ع ۱۲)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ: لِکُلِّ شَیْءٍ صَقَالَۃٌ وَصَقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ وَمَا مِنْ شَیْءٍ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ، قَالُوْا وَلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، قَالَ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے تھے کہ ہر چیز کے لیے ایک صفائی ہوتی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ کا ذکر ہے اور کوئی چیز ذکر اللہ سے بڑھ کر عذاب الٰہی سے نجات دینے والی نہیں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ذکر سے بڑھ کر

وَلَآ اَنْ يَّضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ۔ (رواہ البیہقی)

نہیں؟ ارشاد فرمایا (ہاں جہاد بھی ذکر اللہ سے بڑھکر) نہیں اگرچہ مارتے مارتے مجاہد کی تلوار ٹوٹ جائے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَّزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَّخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

(رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص استغفار میں لگا رہے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ہر تنگی سے نکل جانے کا راستہ بنا دیتے ہیں اور اُس کو ہر غم سے نجات دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے اُس کو رزق دیتے ہیں جس کا اُس کو خیال بھی نہیں ہوتا۔

ذکر کیا ہے؟ یہ تو معلوم ہوگیا کہ سکون مادی چیزوں سے حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ سکون قلب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوسکتا ہے اَب سوال یہ ہے کہ ذکر ہے کیا؟ یُوں تو تلاوت بھی ذکر ہے نماز بھی ذکر ہے۔ استغفار بھی ذکر ہے دُرُود شریف بھی ذکر ہے اللہ اللہ کہنا بھی ذکر ہے، لیکن ذکر کا اصل مفہوم یہ ہے کہ دل میں خُدا کا دھیان نصیب ہو جائے۔ بندہ کسی وقت بھی خُدا کی یاد سے غافل نہ ہو، بلکہ ہر وقت دل میں خُدا کی یاد تازہ رہے۔ یعنی یہ تصوّر ہر وقت مستحضر رہے کہ خُدا مجھے دیکھ رہا ہے اور ظاہر ہے کہ جس شخص کو یہ یقین ہو کہ خُدا مجھے دیکھ رہا ہے اور اُس کا یقین مستحضر بھی ہو تو وہ معصیت اور نافرمانی کا ارتکاب کیسے کرے گا۔ ایک عام بادشاہ کے سامنے کسی کو الٹی سیدھی حرکت کی جُرأت نہیں ہوتی تو بادشاہوں کے بادشاہ کے سامنے بندہ گناہ اور حکم عدولی کی جُرأت کیسے کرے گا، تو ذکر کا حاصل یہ ہے کہ بندہ گناہوں کا ارتکاب چھوڑ دے اور زندگی کے کسی بھی سفر میں ضرور اپنے خالق و مولیٰ کی محبّت میں مجذوب و سرشار ہو جائے۔ پھر دیکھیئے کہ پریشانیاں کیسے دُور ہوتی ہیں اور دِل کو کیسے سکون ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں نافرمانیوں سے بچنے اور فرمانبردار بننے کی توفیق کامل عطا فرمائے۔ (آمین)

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔

تحریر: ڈاکٹر محمود عارف۔ لاہور

(قسط:۴)

گردیز کے محاذ پر

○

آگے بڑھے تو مشتاق ڈرائیور نے گاڑی کو ایک نالے میں ڈال دیا اور کم و بیش ڈیڑھ دو گھنٹے تک گاڑی اسی نالے میں سفر کرتی رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ ندی نالوں کی اور ہماری منزل ایک ہی، یعنی خوست تھی۔

خوست کے محاذ پر

جیسے جیسے خوست قریب آتا گیا ہمارے برابر میں بیٹھے ہوئے محمد الیاس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا۔ ہمارا یہ مجاہد ساتھی اس معرکے میں از اوّل تا آخر شریک رہا تھا۔

خوست میران شاہ کی طرف سے افغانستان کا پاکستان سے نزدیک ترین شہر ہے، یہاں تک پہنچنے میں ہمیں تقریباً تین گھنٹے لگے اور ہماری گاڑی ساڑھے بارہ بجے یہاں پہنچی۔ یہ اُونچے اُونچے پہاڑوں میں گھرا ہوا، ایک پُرفضا وادی میں آباد ایک خوبصورت شہر تھا اس لیے کہ اب وہاں کھنڈرات کے سوا، شہر کی کوئی نشانی باقی نہیں رہی۔

خوست کی جنگ تقریباً چار سال تک (۱۹۸۶ء - ۱۹۹۰ء) تک جاری رہی، اور اس کی فتح میں کم و بیش چھبیس ہزار مجاہدین کی حرارت بخش زندگیوں کا خون شامل ہے یہ معرکہ دُنیا کے خوفناک اور عظیم الشان معرکوں میں سے ایک ہے۔ ہمارا رفیقِ سفر ہمیں اس جنگ کی چشم دید داستان ہمیں سُنا رہا تھا اور ہم چشم تصوّر میں خود کو ان مجاہدوں کے ساتھ محسوس کر رہے تھے۔ جنہوں نے اس جنگ میں حصّہ لیا تھا۔ خوست کی فوجی اور عسکری اعتبار سے بڑی اہمیت ہے یہ شہر افغانستان کی ایک اہم چھاؤنی اور اسلحے کا مرکز تھا۔ ۱۹۸۶ء میں اس پر مجاہدین کے حملے کا آغاز ہوا

ابتداءً یہاں ہر طرف دُشمن کا قبضہ تھا، مگر آہستہ آہستہ مجاہدوں نے اپنے قدم آگے بڑھائے اور بالآخر رمضان المبارک ۱۹۹۰ء میں اسے مکمّل طور پر فتح کر لیا۔

یہ سامنے خوست طور غر کے مشرق کی طرف پہاڑی ہے اور آس پاس کی پہاڑیوں میں سب سے اُونچی ہے فوجی اعتبار سے اہم ہونے کی بناء پر یہاں دُشمن نے اپنا مضبوط ترین مورچہ قائم کیا ہُوا ہے اور ہیلی کاپٹروں کے ذریعے پہاڑ کی چوٹی پر ٹینکوں سمیت جدید ترین اسلحہ پہنچایا جا رہا ہے اسے مقامی لوگ طور غر، کہتے ہیں (طور غر: کالا پہاڑ) مجاہدین کے دستے چاروں طرف نیچے وادی میں اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر ہیں۔ دُشمن اُونچی جگہ سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھا رہا ہے اور تمام علاقے پر نظر رکھے ہُوئے ہے۔ جہاں اسے کوئی ہلچل نظر آتی ہے وہاں تاک تاک کر فائر داغ رہا ہے۔

طور غر پہاڑی کے عین نیچے مجاہدوں کا مورچہ ہے ایک دن کا واقعہ ہے کہ مجاہدین تمام دن سے بھُوکے ہیں، رات سر پر آ رہی ہے۔ دُشمن آنے والی رسد کو گولہ باری کر کے راستے ہی میں بھسم کر رہا ہے اس اثنا میں آسمان پر گڑگڑاہٹ کی آواز سُنائی دیتی ہے مجاہدین نے دیکھا کہ ایک ہیلی کاپٹر دُشمن کے لیے کھانا اور ضروریات لے کر آیا ہے۔ مجاہدین ابھی اُوپر دیکھ ہی رہے تھے کہ اُوپر پھینکے جانے والے سامان رسد میں سے کچھ سامان اُن کے پاس بھی آگرتا ہے اور یُوں قدرت نے اُن کے دُشمن کے ہاتھ سے، بھوکے پیاسے مجاہدوں کو خوراک پہنچانے کا از خود اہتمام کر دیا۔

خوست کے محاذ پر یُوں تو تمام افغان تنظیموں نے داد شجاعت دی، مگر اس معرکہ کی کامیابی میں سب سے زیادہ مردانگی "حزب اسلامی" نے دکھائی، جس کے امیر مولانا یونس خالص ہیں اور کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی، جو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے فارغ التحصیل ہیں۔ ہم نے اپنے سفر میں سب سے زیادہ جس مجاہد کے عظیم الشان کارناموں کی داستانیں سُنیں وہ یہی مولانا حقانی تھے۔ افغانستان میں بچّے بچّے کی زبان پر ان کا نام اور اُن کے کارنامے تھے۔ ان کی جماعت حزبِ اسلامی مجاہدین کی سات بڑی جماعتوں میں سے ایک ہے، اُن کے پاس ٹینکوں اور توپوں سے لے کر، ہر قسم کا چھوٹا بڑا اسلحہ موجود تھا

گردیز کے محاذ پر بھی سب سے زیادہ اسی جماعت نے حصّہ لیا۔

ایک اندھیری اور سیاہ رات میں مجاہدوں نے اپنے کمانڈر، مولانا جلال الدین حقانی کی قیادت میں نعرہ تکبیر کی آوازوں کے ساتھ "طورغر" کے مورچے پر حملہ کیا اور دشمن کو ختم کرکے، اس اونچی پوسٹ پر قبضہ جما لیا۔ جس سے علاقے میں پھیلے ہوئے تمام مجاہدین نے سکھ کا سانس لیا۔

یہ اونچی پہاڑی جب سامنے آئی تو جہاں چشمِ تصوّر نے مجاہدوں کو نعرہ تکبیر کی فلک شگاف آوازوں کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے دیکھا، وہاں میں نے دِل ہی دِل میں ان مجاہدوں کی ہمّت جوانمردی اور بہادری کی داد دی اور کہا:

تڑپا دیا ہے ان کو شاباش ہم صفرو

مگر دشمن جب اس چوٹی سے مغلوب ہوا تو اگلے مورچوں پر ڈٹ گیا۔ اس علاقے میں شاید ہی کوئی زمین کا ایسا قطعہ ہو گا جس پر دو نظریوں، دو ذہنوں اور دو فکروں کا تصادم نہ ہوا ہو۔ اس تصادم میں قدرت نے مجاہدین کی بار بار مدد کی۔

ایک اندھیری رات میں کمانڈر محمد الیاس اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ "طلایہ گردی" کے لیے نکلے۔ ان کا ہدف دشمن کی ایک چوکی تھی۔ راستے میں سرکنڈوں کے ایک کھیت میں سے ہو کر گزرنا تھا۔ جب مجاہدوں کا یہ دستہ سرکنڈوں میں گیا تو راستہ بھول گیا جس علاقے میں قدم قدم پر دشمن اور اُس کے چھپائے بم موجود ہوں۔ راستہ بھول جانا اپنی موت کو دعوت دینے سے کم نہیں ہوتا، کمانڈر نے اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ کھڑا کیا اور راستہ تلاش کرنے کے لیے چند قدم آگے بڑھائے، جیسے ہی کمانڈر آگے بڑھے، پیچھے سے ٹارچ کی روشنی ڈالی گئی۔ کمانڈر پیچھے آئے اور اپنے ساتھیوں پر ناراضگی کا اظہار کیا اور انہیں سختی سے کہا کہ وہ ٹارچ کا استعمال نہ کریں۔ مجاہدین یہ ہدایت سن کر حیران ہوئے اور کہا کہ ان کے پاس تو ٹارچ ہے ہی نہیں۔ کمانڈر نے سمجھا کہ شاید یہ لوگ دانستہ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

کمانڈر دوبارہ آگے بڑھے تو دوبارہ ٹارچ کی روشنی ڈالی گئی وہ دوبارہ پیچھے آئے اور

ساتھیوں کو پہلے سے زیادہ ڈانٹا، مگر اُن کا جواب یہ تھا کہ اُن میں سے کسی کے پاس ٹارچ نہیں ہے، تیسری مرتبہ جو کمانڈر آگے بڑھے اور ٹارچ کی روشنی ڈالی گئی تو کمانڈر نے دیکھا کہ وہاں باریک سی پگڈنڈی کا نشان موجود تھا یہ ٹارچ کی روشنی گویا تائید غیبی تھی۔ جب کمانڈر نے اس پگڈنڈی کو دیکھا تو انہیں راستہ سمجھ آگیا اور وہ تائید غیبی کا یہ اشارہ پاکر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے جس نے نہ صرف ان کی جانیں بچائیں بلکہ ان کو اپنا ہدف حاصل کرنے کا بھی موقعہ مل گیا۔

تائید غیبی کے ایسے سینکڑوں واقعات افغان جہاد میں پیش آئے۔ ہم کبھی "مجاہد" کے جوش سے تمتماتے ہوئے چہرے کو اور کبھی اس بصر بھری مٹی کو دیکھ رہے تھے جس میں چھبیس ہزار تہجد گزار اور عابد و زاہد انسانوں کے خون کی بوچھی بسی تھی۔

جدھر دیکھو اُدھر بکھرے ہیں تنکے میرے آشیانے کے
میری بربادیوں کا سلسلہ یارب کہاں تک ہے

خوست کی فتح

یہ رمضان المبارک (۱۴۱۱ھ اپریل ۱۹۹۱ء) کا قصہ ہے۔ مجاہدین نے روز روز کے چھوٹے چھوٹے حملوں سے تنگ آکر ایک بڑے حملے کا پروگرام بنایا۔ تمام کمانڈروں کی میٹنگ ہوئی اور ایک دن اس مقصد کے لیے مقرر کر لیا گیا۔ اتفاق یہ کہ اس دن رات سے ہی بارانِ رحمت شروع ہو گئی اس کا بظاہر نقصان تو یہ ہوا کہ مجاہدین اور خوست کے درمیان حد فاصل رہنے والا روہی نالہ بپھرے ہوئے دریا کا منظر پیش کرنے لگا۔ اور مجاہدین کے لیے پیش قدمی کرنا مشکل ہو گیا، مگر اس کے ساتھ اس کے کچھ فوائد بھی تھے: دشمن کے لیے باہر نکلنے اور مجاہدین کے ساتھ دست بدست جنگ کرنے میں دشواریاں پیدا ہو گئیں، نیز اُن کا اسلحہ بیکار نظر آنے لگا۔ بایں ہمہ یہ ایک قیامت خیز دن تھا۔ دشمن نے اپنے تمام ہتھیاروں کے منہ مجاہدین کے لیے کھول دیے تھے۔ زمین سے توپ و تفنگ کا کھیل جاری تھا، اُوپر سے بار بار لڑاکا طیارے آرہے تھے اور اپنی بمباری سے مجاہدین کو شدید نقصان پہنچا رہے تھے، لیکن مجاہدین کا چونکہ اللہ کی ذات پر بھروسہ

تھا، اس لیے یہ تمام رکاوٹیں اور آزمائشیں ان کے قدم روکنے میں ناکام ثابت ہو رہی تھیں۔

مجاہدین کے دستے پہاڑوں سے نیچے اُتر آئے اور آس پاس کی وادیوں سے یلغار کر کے آگے بڑھنے لگے۔ اُن کے پاؤں کیچڑ اور مٹی سے بھاری ہو رہے تھے، مگر دل شوقِ شہادت سے لبریز تھے۔ خوست کے میدان میں اس روز جو معرکہ لڑا گیا وہ دُنیا کی تاریخ میں ایک انوکھا معرکہ تھا اور یہ معرکہ اس قرآنی ارشاد کی تصویرِ مجسم تھا۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ)

کتنی ہی بار ایسا ہُوا، کہ ایک چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئی۔

اس روز دُنیا نے دیکھا کہ کس طرح نصرتِ خداوندی کے سامنے توپ و تفنگ کے ہتھیار بیکار ہو جاتے ہیں اور کس طرح دینی حمیت اور مذہبی جوش سے لبریز جذبے کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔

یہ خداوند تعالیٰ کی کھلی نُصرت نہیں تو کیا تھی کہ اس روز مجاہدین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آج ہی خوست فتح ہو جائے گا مگر فیصلہ کرنے والے نے جو اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے (یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ) قضا و قدر کی انمٹ سیاہی سے مجاہدین کے حق میں فتح لکھ دی تھی۔ پہلے پہل جب مجاہدین نے حملے کے لیے نالے کو عبور کرنا شروع کیا، تو "جنگ مدائن" کی یاد تازہ ہو گئی:

جنگ مدائن میں مسلمانوں نے اللہ کے بھروسے پر دریائے فرات میں گھوڑے ڈال دیے تھے اور جب دریا نے اُن کے گھوڑوں کے پاؤں ڈبونے سے انکار کر دیا تو اس پر اہلِ فارس یہ کہتے ہوئے بھاگ اُٹھے تھے کہ "دیواں آمدند، دیواں آمدند، (دیو آ گئے دیو آ گئے) اس روز بھی جب مجاہدین نے دریا میں قدم رکھا تو دریا نے مجاہدوں کے آگے سپر ڈال دی اس لیے قدِ آدم پانی ہونے کے باوجود کسی مجاہد کو پانی نے گزند نہ پہنچایا اور دُشمن نے پہلے تو گولیوں کا مینہ برسایا، مگر جب دیکھا کہ مجاہدین آگے بڑھتے چلے آ رہے ہیں تو اُس نے مضبوط و مستحکم مورچوں سے نکل نکل کر جان بچانے کے لیے بھاگنا شروع کر دیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ اَب دُشمن ہار چکا ہے۔

اس "نشان" کے ظاہر ہوتے ہی مجاہدین نے حملہ عام شروع کر دیا۔ راستے میں دشمن کے جو مورچے بھی آئے وہ مجاہدین کے حملے سے زیر ہوتے گئے اور وہاں سے "غیر متوقع" مال غنیمت ہاتھ لگتا رہا۔ بقول کمانڈر محمد الیاس وہاں اتنا اسلحہ اور خوراک کا وافر ذخیرہ موجود تھا کہ دشمن ابھی کئی ماہ جنگ جاری رکھ سکتا تھا، مگر جب کوئی قوم ہمّت ہار بیٹھے تو پھر تمام ساز و سامان بیکار ہے۔ اس روز "حرکۃ الجہاد" کو بھی دو بڑے ٹرک ہاتھ لگے جن میں سے ایک تو اسی روز "دریا برد" ہو گیا اور دوسرا ابھی تک اُن کی تحویل میں ہے جس پر ہمیں بھی سواری کا موقع حاصل ہوا۔ سب سے خوفناک جنگ اس علاقے میں لڑی گئی جہاں ہندو آباد تھے، ہندوؤں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر جنگ کی، مگر اس روز وہ قسمت کی بازی کے ساتھ، ایک ایک کر کے جان کی بازی ہار گئے، جب یہ گفتگو ہو رہی تھی تو ہماری ڈاٹسن نالہ عبور کر کے کچے راستے سے خوست میں داخل ہو چکی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ "خوست" ایک تباہ حال شہر ہے لگتا تھا کہ اس شہر کو کسی آسمانی آفت نے ہلاک کر دیا ہے، کسی زمانے میں ضرور کوئی شہر ہو گا۔ یہاں زندگی کی ریل پیل ہوتی ہو گی، یہاں شام ہوتے ہی بے فکروں کے قہقہے گونجتے ہوں گے، یہاں بھی سیمیں بدن چہرے اور نقرئی رنگ حسین ناز و ادا دکھاتے ہوں گے مگر اب وہ راکھ کا ایک ڈھیر تھا، ایک ایسا ویرانہ جس کی تمام آب و تاب چھن چکی تھی۔ ایک ایسا کھنڈر جس پر موت کا سایہ تھا، ایک ایسا "خرابہ" جس کی ہر اینٹ ویرانی کی نوحہ کناں تھی؛ بقول غالب:

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کر گھر یاد آیا

مَیں نے داستان سرا مجاہد سے پوچھا کہ یہاں جو عورتیں اور بچّے تھے جنگ میں اُنکا کیا ہوا؟ تو مجاہد نے بتلایا کہ چونکہ خوست چار سال تک حالتِ جنگ میں رہا لہٰذا دشمنوں نے اُنہیں پہلے ہی محفوظ مقامات پر پہنچا دیا تھا۔ اسی طرح مجاہدوں نے بار بار اعلانات کے ذریعے غیر جانب دار لوگوں کو خوست چھوڑنے کا حکم دیا تھا اس لیے یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اس وقت، صرف جنگجو لوگوں کے سوا کوئی بھی متنفس یہاں موجود نہ تھا، اس روز مجاہدین نے کوئی جنگی قیدی نہیں بنایا، بلکہ ہر دشمن کو اگلی دنیا میں پہنچا تاکہ اُن پر مجاہدین کی دہشت طاری ہو جائے۔

آگے ایک "تباہ حال" عمارت آئی تو محمّد الیاس نے بتایا کہ یہ عمارت اُن کا مضبوط "اسلحہ خانہ" تھا اور اسے سَر کرنے میں مجاہدین کو بڑی مشکل پیش آئی۔

بعد ازاں جب ہماری گاڑی خوست کے مین بازار میں داخل ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ دو رویہ دُکانیں اور تجارتی مراکز کا سلسلہ دُور تک چلا گیا ہے مگر اس حال میں کہ اُن کی چھتیں گری ہوئی ہیں۔ سامان ندارد ہے، تمام دیواریں گولیوں سے چھلنی ہیں جگہ جگہ آگ بھڑکنے بموں اور راکٹوں کے لگنے کے نشانات نظر آتے ہیں۔ گویا قرآنی منظر ہمارے سامنے تھا۔

اَوْكَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا

یا اس شخص کی طرح جو ایک ایسی بستی پر سے گزرا جو اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی۔

مَیں چشمِ تصوّر سے دیکھ رہا تھا کہ کبھی یہاں بھی رونق اور چہل پہل ہوتی ہو گی، سرِ شام قمقمے روشن ہو جاتے ہوں گے اور سیمیں بدن اور پری جمال چہرے اِدھر اُدھر چلتے پھرتے نظر آتے ہوں گے، مگر اب یہاں حسرتوں کے جلے ہُوئے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہ تھا یہ سَب کچھ دیکھ کر خیال آیا کہ اگر "سُرخ سامراج" کو ان فلک بوس پہاڑوں میں نہ روکا گیا ہوتا تو شاید آج پشاور، اسلام آباد، لاہور اور کراچی کا بھی یہی حشر ہوتا۔

مین بازار میں ایک جگہ رونق اور چہل پہل نظر آئی گاڑی وہاں پہنچی تو پتہ چلا کہ وہاں مجاہدین نے خورد و نوش کے لیے چند ہوٹل کھول رکھے ہیں۔ ڈرائیور نے مناسب جگہ دیکھ کر گاڑی روک دی اور کہا کہ یہاں ہم لوگ "لنچ" کریں گے اور پھر "گردیز" تک کسی جگہ پڑاؤ نہیں کیا جائے گا۔

چونکہ محمّد الیاس ٹوٹی پھوٹی پشتو جانتا تھا۔ اس لیے کھانے کا آرڈر اُس نے دیا۔ ہم سب مُنہ ہاتھ دھو کر دُکان کے اندر ایک دری پر جوتوں سمیت بیٹھ گئے۔ "بیرے" نے سامنے دستر خوان لاکر بچھایا اور پھر کھانا لا کر رکھ دیا: کھانے میں "افغانی بریانی"، شوربے والا گوشت اور موٹی موٹی تندوری روٹیاں تھیں، یہاں پہلی مرتبہ "افغانی بریانی" کھائی اس میں خاص بات یہ تھی کہ نمکین چاولوں میں کشمش ڈالی ہوئی تھی، مگر چاولوں کا ذائقہ کچھ اچھا نہ تھا۔ ڈرائیور

سمیت کھانا کھانے والے تقریباً دس افراد تھے، سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا، جب کھانے سے فراغت ہوگئی تو اس کا بل پوچھا گیا۔ بیرے نے جمع تفریق کر کر چھ ہزار دو سو روپے بتائے اتنی بڑی رقم سن کر ہم تو چکرا گئے، لیکن محمد الیاس نے بتایا کہ پاکستانی سکے میں اس کی کل قیمت ۱۵۵ روپے ہے، یہ سن کر ہمیں پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ افغانی سکے کی قیمت پاکستانی سکے کے مقابلے میں چالیس درجے کم ہے، یعنی ایک پاکستانی روپے کے ۴۰ افغانی ملتے ہیں۔ افغانی سکے کی یہ زبوں حالی دیکھ کر سخت دکھ ہوا اور خیال ہوا کہ جو "اقوام" فکرِ فردا نہیں کرتیں اور دوسری اقوام کو اپنی قسمت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا لیتی ہیں اور جو قومیں اسلحے کی تجارت پر اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہیں اُن کا یہی حال ہوتا ہے۔ یہیں ہمیں پتہ چلا کہ مفتوحہ افغانستان میں بیک وقت دونوں سکے چلتے ہیں۔ سکوں کے تبادلے عام طور پر دُکاندار ہی کر لیتے ہیں مگر اس مقصد کے لیے خوست میں ایک بنک بھی قائم تھا جو ہماری کھانے کی "بیٹھک" سے چند قدم کے فاصلے پر واقع تھا۔

کھانے سے فراغت کے بعد سفر دوبارہ شروع ہوا اس روز (۱۶ اکتوبر ۱۹۹۱ء) کو چونکہ جمعہ کا دن تھا اس لیے ہمیں نماز جمعہ پڑھنے کی بھی فکر تھی، مگر سفر کی بناء پر ہمیں آگے چل کر راستے ہی میں نماز قصر پڑھنا پڑی۔

خوست کے "مین بازار" سے گزرنے کے بعد گاڑی "مین روڈ" پر فراٹے بھرنے لگی یہ پختہ اور خوب صورت سڑک تھی جس کے آس پاس "دیودار" اور چلغوزے کے خوبصورت درخت ابھی تک اپنی عظمتِ رفتہ کی گواہی دے رہے تھے۔ خوست کا ہوائی اڈا ٹیکنیکل ٹریننگ سینٹر اور کالج کی عمارت بھی اسی جگہ نظر آئی اس کے علاوہ بڑی بڑی کوٹھیاں شکستہ اور زمین بوس نظر آئیں۔ پتہ چلا کہ یہ علاقہ خوست کا گلبرگ اور ماڈل ٹاؤن تھا، یہ علاقہ خوست کا خوبصورت ترین علاقہ تھا، مگر اب وہاں حسرتوں اور تمناؤں کے ڈھیر کے سوا کچھ نہ تھا۔

راستے میں ایک جگہ افغانی فوجی کا "پتلا" کھڑا نظر آیا جس کا سر غائب تھا۔ اب ہماری گاڑی خوست کو گردیز اور کابل سے ملانے والی سڑک پر تیزی دوڑ رہی تھی، راستے میں جگہ جگہ ٹوٹے پھوٹے مورچے نظر آرہے تھے۔ پلوں کو بم مار کر تباہ کیا جا چکا تھا اور ہم ان میدانوں

اور وادیوں میں ہونے والی اس خوفناک جنگ کا چشمِ تصوّر میں نظارہ کر رہے تھے جو ان وادیوں میں چار سال تک لڑی گئی۔

خُوب صُورت سڑک پر ہمارا سفر مزید دو گھنٹے جاری رہا۔ اسی سفر میں ایک جگہ ڈرائیور نے گاڑی روکی اور ہم نے حوائجِ ضروریہ سے فراغت حاصل کی۔ اس سڑک کے قریب سے ایک نالہ گزرتا ہے جس میں چشموں کا پانی پتّھروں سے اٹھکیلیاں کرتا اور شور مچاتا ہُوا گزرتا ہے، ہم نے اسی نالے کے ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے، نماز ظہر ادا کی اور پھر نماز کے بعد چائے پی اور پھر دوبارہ سفر شروع ہوگیا۔

سڑک کے کنارے جگہ جگہ ٹُوٹے پھُوٹے مکان اور مورچے نظر آئے، کمانڈر محمد الیاس نے بتایا کہ یہ مورچے کابل فوجیوں نے اپنے ان فوجی کانواؤں کی حفاظت کے لیے تعمیر کیے تھے جو سامان و اسلحہ کے ساتھ خوست میں آتے تھے اور جسے مجاہدین کی دست برد سے بچانے کے لیے کئی ماہ پہلے حفاظتی اقدامات کر لیے جاتے تھے۔

راستے میں اِکاڈ کا آبادیاں نظر آئیں۔ ان "بستی والوں" نے "چلغوزے" توڑ کر سکھانے کے لیے اپنے مکانوں کی چھتوں پر پھیلا رکھے تھے۔ پتہ چلا کہ یہاں کے لوگوں کا واحد ذریعۂ معاش یہی چلغوزے ہیں ایک جگہ مکئی کے دانے بھی چھت پر پھیلے ہُوئے دکھائی دیے۔ چند مقامات پر افغانیوں کو سیب انار اور اخروٹ لے کر سڑک کے پاس بیٹھے ہُوئے دیکھا ان مقامات پر یہ اشیاء بھی اُن کے ذرائع آمدن میں شامل تھیں۔

ڈنگر دہ

یہ سفر جاری تھا کہ ایک جگہ ڈرائیور نے چائے کے لیے گاڑی روکی۔ کیونکہ اس کی چائے کا نشہ ٹُوٹ رہا تھا۔ ہمارے ہاں یہ عام رواج ہے کہ چائے سے قبل پانی نوش کیا جاتا ہے۔ اپنے اسی معمول کے مطابق ہمارے ایک دوست نے بیرے سے چائے کے ساتھ پانی طلب کیا جسے سُن کر ہمارا افغان ڈرائیور ہنسا اور پھر پشتو میں اس پر تبصرہ کرتے ہُوئے کہا:

ایں پنجابی را، ایں ڈنگر دا۔ یعنی یہ پنجابی، میں یہ ڈنگر ہیں (وہاں تمام پاکستانیوں کو پنجابی کہا جاتا ہے اور "ڈنگر" کمزور شخص کو کہتے ہیں۔ ڈرائیور کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ کمزور طبیعت

کے ہیں اس لیے چائے برداشت نہیں کر سکتے۔) مجھے یاد آیا کہ بعض دوستوں سے پتہ چلا اور بعد ازاں مولانا سعادت اللہ صاحب نے بھی اپنی یادداشتوں میں تحریر کیا کہ جب "حرکۃ الجہاد الاسلامیہ" کے جھنڈے تلے پاکستانی مجاہد بغرض جہاد افغانستان گئے تو اُن کے کمزور جسم دیکھ کر مقامی لوگوں نے اُنہیں بھی ڈنگر قرار دیا تھا مگر حالات نے ثابت کر دیا کہ پاکستانی مجاہد کسی طرح بھی افغانوں سمیت کسی قوم سے کم نہیں ہیں:

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم سو بار کر چکا ہے، تو امتحاں ہمارا

پہلے تو خیال آیا کہ اس کو کھری کھری سُنا دوں، لیکن یہ سوچ کر خاموش رہا کہ ہم علاقہ غیر میں ہیں۔ خاموشی ہی میں عافیت ہے۔ البتہ ہمارے رفیقِ سفر محمد الیاس نے اسے پنجابیوں کے فضائل سے آگاہ کیا جس پر ڈرائیور اپنے الفاظ پر شرمندہ ہُوا۔

بقیہ: درسِ قرآن

اُس سے اس دَور کے اسلام کی توہین نہیں تھی تو آج بھی اگر اس قسم کا واقعہ آئے اور وہ عام کیا جائے تو اس میں اسلام کی توہین نہیں یہ تو کُفر کی توہین ہے کہ اسلام چھوڑ کر جب کُفر اختیار کیا تو صُورت مسخ ہُوئی اگر عیاذاً باللہ یہ ہوتا کہ اسلام قبول کرنے پر، تلاوتِ قرآن کرنے پر معاذ اللہ صورت بگڑ جاتی تو اسلام کی توہین تھی، لیکن اسلام کو چھوڑ کر کُفر کی طرف آنے میں جب صُورت بگڑی تو اسلام کی عظمت نمایاں ہُوئی۔ کُفر کی اہانت اس میں واضح ہُوئی تو یہ اسلام کی توہین نہیں بلکہ کُفر کی توہین ہے اور اسلام کی عظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے، اور اگر اس میں اہانت تھی تو حق تعالیٰ قرآن کریم میں ایسے واقعات ہی بیان نہ فرماتے، تو اگر آج کے لوگوں نے اس قسم کے واقعات کو نقل کر دیا ہے تو قرآن کی پیروی کی کہ اللہ نے پچھلے واقعات نقل کیے اُنھوں نے سامنے کا واقعہ نقل کر دیا۔ اسلام کی عظمت اس سے نمایاں ہوگئی۔ بہرحال میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ خَسفٌ یا مَسخ یہ عام تو نہیں ہوگا رحمۃ للعالمین کی اس اُمّت میں لیکن خاص خاص طور پر ہوگا۔

وفیات

گزشتہ ماہ مؤرخہ ۱۰ اگست بروز بدھ والدۂ محترمہ جناب شفیق صاحب و مستقیم صاحب (لندن والے) بعارضہ قلب وفات پاگئیں اِنّا للّٰہِ وَاِنّا الیہ راجعون مرحومہ انتہائی پاکباز و عبادت گزار خاتون تھیں، اُن کی رحلت پسماندگان کے لیے بہت بڑا خلا ہے۔ کارکنانِ جامعہ اس صدمہ میں برابر کے شریک ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو آمین۔ درجہ تحفیظ القرآن میں مرحومہ کے لیے ایصالِ ثواب کرایا گیا۔ قارئین سے بھی دُعا کی درخواست ہے۔

گزشتہ ماہ مؤرخہ ۱۵ اگست کو دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ حضرت مولانا مفتی عبدالباقی صاحب (لندن والے) طویل علالت کے بعد وفات پاگئے۔ اِنّا للّٰہِ وَاِنّا الیہ راجعون مرحوم ایک طویل عرصہ سے برطانیہ میں دینی خدمات انجام دے رہے تھے۔ آپ کا آبائی وطن پاکستان ہے۔ آپ کی وفات پسماندگان کے لیے عظیم صدمہ کے علاوہ برطانیہ کے مسلمانوں کے لیے بھی بہت بڑا خلا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق دے۔ مفتی صاحب کے لیے بھی تحفیظ القرآن میں ایصالِ ثواب کرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین

گزشتہ ماہ ہمارے عزیز دوست و مہربان جناب حافظ اطہر عزیز صاحب کے والد محترم اچانک وفات پاگئے اِنّا للّٰہِ وَاِنّا الیہ راجعون مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے خاص طور پر خدمتِ قرآن سے بہت ہی لگاؤ تھا۔ اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خدمتِ قرآن کی نصیحت کرتے رہتے تھے۔ خدا کرے کہ اُن کی یہ خدمت آخرت میں اُن کے لیے حجت ہو، حافظ صاحب اور دیگر پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا ہو آمین۔

(ادارہ)

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

مولانا عبید اللہ سندھی کی کُتب تفسیر

تصنیفی نوعیّت اور درجۂ استناد

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی قرآنی خدمات کا تعارف کراتے ہُوئے مولانا مرحوم کی تفسیر کی تصنیفی حیثیّت کے بارے میں چند باتوں کی وضاحت نہایت ضروری ہے جو ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔

کسی کتاب سے استفادے کے لیے نہایت ضروری امر یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کا مقصدِ تحریر دائرۂ بحث، نوعیتِ تصنیف اور اس کا درجۂ استناد معلوم کرلیا جائے اگر ذہن اس بارے میں صاف نہ ہو تو غلط فہمی پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

ہر کتاب کا ایک موضوع، مقصدِ تحریر اور دائرۂ بحث ہوتا ہے۔ بعض باتیں جو موضوع اور مقصدِ تحریر سے متعلّق ہوتی ہیں، وہ بُنیادی ہوتی ہیں کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اگرچہ موضوع اور دائرۂ بحث سے غیر متعلّق نہیں ہوتیں، لیکن مقصد اُن کو تحریر میں لانا نہیں ہوتا، بلکہ اُن کا تذکرہ محض ضمناً آتا ہے اور بعض باتیں بہ طور استدلال کے آتی ہیں۔ ان تمام باتوں کا درجہ ایک نہیں ہوتا۔ کسی کتاب سے استفادے کے دوران میں نظر ہمیشہ اصل موضوع اور مقصدِ تحریر پر رکھنی چاہیے۔

اسی طرح ہر کتاب کی ایک تصنیفی حیثیّت ہوتی ہے اس کی مختلف صُورتیں ہیں اُنہیں نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے۔ مثلاً

ایک صُورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنے افکار و خیالات کو خود ضبطِ تحریر میں لاتا ہے۔

دوسری صُورت یہ ہوتی ہے کہ ایک اور شخص اس کے خیالات کو اس سے سُن کر بیان کرتا ہے۔

تیسری صُورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی مضمون نگار کسی شخصیت کے سوانح و افکار کا مطالعہ کرتا ہے

اور پھر اپنے حاصلِ مطالعہ اور نتائجِ فکر کو مرتّب کرتا ہے

ان کے علاوہ بھی کئی اور صُورتیں ہو سکتی ہیں۔

کتاب کی تصنیفی نوعیت پر ہمیشہ نظر رہنی چاہیے۔ اس لیے کہ کسی کتاب کی تصنیفی نوعیت ہی پر اس کے درجۂ استناد کی بُنیادیں استوار ہوتی ہیں سب سے بلند درجۂ استناد کسی شخص کے افکار کے بارے میں اس کی اپنی تحریر کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد دوسری نوعیتوں کی اہمیّت ہوتی ہے۔ جس طرح تصنیفی نوعیّت کے بارے میں تمام تصنیفات یکساں نہیں ہو سکتیں، اسی طرح درجۂ استناد کے لحاظ سے بھی تمام تصانیف مساوی حیثیّت کی نہیں ہوتیں۔ کسی کتاب سے استفادے میں اس کے درجۂ استناد کو ہرگز نظر انداز نہ کر دینا چاہیے اور اگر معاملہ دینی عقائد کا ہو تو اس کی اہمیّت بہت بڑھ جاتی ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے تصنیفی افکار کے سلسلے میں یہ بات بہت اہم اور اس کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ اس باب میں اُردو، سندھی اور عربی میں جو کچھ ہے ان میں سے "خلاصۃ القرآن" کے سوا اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو مولانا مرحوم نے اپنے قلم سے تالیف و تصنیف فرمائی ہو۔ یہ ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ تفسیرِ قرآن میں ان کے افکار کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا یہ تمام کوششیں بھی ایک درجے کی نہیں ہیں۔

بعض اصحابِ علم و فضل مدعی ہیں کہ ان کی تحریر کا ایک ایک لفظ مولانا کی زبان و دہن سے نکلے ہُوئے موتی ہیں جنھیں اُن کی اصل حالت میں رِشتۂ تحریر میں پرو لیا گیا ہے۔

بعض اہلِ قلم کا دعویٰ ہے کہ اُن تحریریں مولانا کی نظرِ ثانی کا شرف حاصل کر چکی ہیں اور بعض ناقلین کا بیان ہے کہ اُنھوں نے پُوری ذمّہ داری کے ساتھ مولانا کے افکارِ قرآن کو پیش کیا ہے اور جو کچھ اُنھوں نے بیان کیا ہے وہی ہے جو مولانا نے فرمایا۔

ان میں سے کسی کی نیت پر شُبہہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ اُن کی دیانت میں کلام کی گنجائش ہے۔ اس کے باوجود مولانا سندھی مرحوم کے افکارِ قرآن کے باب میں اس حیثیّت کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے کہ ان کوششوں کا وہ درجہ نہیں ہے جو مولانا کی اپنی تحریر کا ہوتا ان تمام کوششوں کا شمار دوسرے درجے میں ہوگا۔ دوسرے درجے میں بھی تمام تالیفات یکساں

حیثیت کی نہیں ہیں۔ مطالعے کے وقت یہ اختلاف پیشِ نظر رہنا چاہیے۔

شیخ بشیر احمد لودیانوی نے جن صورتوں کی تفسیر مرتب فرمائی ہے۔ وہ اُنھوں نے خود حضرت مولانا سندھی سے پڑھ کر اور سمجھ کر مرتب فرمائی ہے۔ موصوف کی مرتّبہ بعض سورتوں کی تفسیر مولانا مرحوم کی نظر سے بھی گزری تھی اور اُنھوں نے اسے پسند فرمایا تھا اور ایک سَنَد بھی اُنھیں لکھ دی تھی جو لودیانوی صاحب نے "دستورِ انقلاب" کے شروع میں "کلماتِ طیّبات" کے عنوان سے شامل کر دی ہے۔

"ہم ۱۹۳۹ء ہندی میں واپس وطن پہنچے اس کے بعد جب کبھی لاہور آئے اور اپنے عزیزوں کی خاطر وہاں رہے، مولوی بشیر احمد صاحب بی۔ اے لدیانوی ہم سے قرآن شریف سمجھنے کے لیے مسلسل ملتے رہے، وہ ہمارے افکار لکھتے بھی رہتے تھے۔ اس طرح اُنھوں نے کئی سو صفحات[1] تیار کر لیے۔ اُنھوں نے قرآن عظیم کا مطالعہ بہت عرصے پہلے سے مختلف اساتذہ کی صحبت میں جاری رکھا تھا اس لیے وہ ہمارے طرزِ تفکّر کا انقلابی نُقطہ تدریجاً سمجھنے کے قابل ہو گئے۔ اب اُن کی خواہش ہے کہ ہمارا فکر لوگوں کو پڑھائیں یا پریس کے ذریعے سے پھیلائیں۔

ہمیں سندھ ساگر انسٹی ٹیوٹ کے متعلّق علمی مرکز میں جس کا نام "محمّد قاسم ولی اللہ کالج آف تھیالوجی" تجویز کیا ہے، ایسے ہی اُستاد کی ضرورت تھی ہم نے اُنھیں اپنے ابتدائی تجارب میں شریک بنا لیا ہے۔ اُنھوں نے اپنے افکار کا نمونہ سورۂ مزمل، اور سورۂ مدثر کی تفسیر میں پیش کرنا پسند کیا ہے۔

ہماری تقریریں بہت سے دوستوں نے ضبط کر لی ہیں مگر آج تک ہم نے کسی کی تصحیح اپنے ذمّہ نہیں لی۔ مولوی بشیر احمد اور مولوی خدا بخش[2] کی محنتوں کا ہم پر خاص اثر ہے۔ اس لیے ہم نے اس رسالہ پر نظرِ ثانی منظور کی ہے ہم شہادت دیتے ہیں کہ ان افکار کی ذمّہ داری میں ہم بھی اُن کے ساتھ شریک ہیں۔ ہم اپنے دوستوں

---

[1] بشیر احمد کے اندازہ کے مطابق تقریباً ساڑھے تین ہزار صفحات ہوں گے۔

[2] مولوی خدا بخش بیت الحکمت، لاہور کے صدر تھے اور مولانا سندھی کے دورِ آخر کے شاگرد۔

سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یادداشتیں اس طرزِ تفکّر کے مطابق بنالیں واللہ المستعان۔" عبیداللہ سندھی

مولانا سندھی مرحوم کا اپنے کسی شاگرد کے بارے میں یہ فرمانا کہ:

① وہ ہمارے طرزِ تفکّر کا انقلابی نقطہ تدریجاً سمجھنے کے قابل ہوگئے ہیں۔

② ہمیں سندھ ساگر انسٹی ٹیوٹ کے متعلّق علمی مرکز میں ایسے ہی اُستاد کی ضرورت تھی۔

③ ہم نے اُنھیں اپنے ابتدائی تجارب میں شریک بنالیا ہے۔

④ مولوی بشیر احمد کی محنتوں کا ہم پر خاص اثر ہے۔

⑤ ہم اپنے دوستوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یادداشتیں اس طرزِ تفکّر کے مطابق بنالیں۔

بہت بڑی اہمیّت رکھتا ہے اس پر وہ جتنا بھی فخر کریں بجا ہے، لیکن ان تمام افکار کی اس تحریر کے اِن جملوں کو خاص طور پر ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے۔

① "اُنھوں نے اپنے افکار کا نمونہ سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی تفسیر میں پیش کرنا پسند کیا ہے۔"

② "اُن افکار کی ذمّہ داری میں ہم بھی اُن کے ساتھ شریک ہیں۔"

ان جملوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ بشیر احمد لودیانوی نے مولانا کے مدرسۂ تفسیر سے جو کچھ سمجھا ہے اُسے اپنے طور پر اُنھوں نے پیش کر دیا ہے یہ کلیتہً مولانا کے افکار نہیں ہیں، البتّہ مولانا کے طرزِ تفکّر کے عین مطابق ہیں۔ گویا کہ مولانا مرحوم جو کچھ بیان فرماتے تھے یہی الفاظ اور تشریح و توضیح نہ تھی اور اگر مولانا خود ان مطالب کو ضبطِ تحریر میں لاتے تو وہ بالکل یہی نہ ہوتا بلکہ اس سے مختلف ہوتا۔

مولانا سندھی مرحوم کے افکارِ دینی و سیاسی میں اس قسم کی دوسری تحریریں قبول کرتے اور اُن کی تمام تر ذمّہ داری مولانا پر ڈالتے ہوئے اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کر دینا چاہیے کہ وہ بلغظہٖ مولانا کے افکار نہیں ہیں۔ اگرچہ مولانا کو ان افکار میں شرکت کی ذمّہ داری سے بری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مولانا نے خود اس امر کا اعتراف فرمایا ہے۔ زیرِ بحث تحریر کے ان جملوں میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

"ہماری تقریریں بہت سے دوستوں نے ضبط کر لی ہیں مگر آج تک ہم نے کسی کی تصحیح اپنے ذمّہ نہیں لی۔ ہم اپنے دوستوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی یادداشتیں اس

طرزِ تفکّر کے مطابق بنالیں"۔

مولانا سندھی مرحوم کے افکار خواہ دینی ہوں، خواہ سیاسی اُن کی ذمّہ داری مولانا پر ڈالتے ہُوئے درجۂ استناد کی اس حقیقی ترتیب کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے۔

(الف) مولانا مرحوم کی اپنی تحریریں، تفسیر میں خلاصۃُ القرآن کے سوا مولانا کے اپنے قلم سے کوئی اور تحریر نہیں، لیکن چونکہ یہ نوٹس مولانا اپنے مطالعہ کے دوران میں خود اپنے خیالات و افکار کی یادداشت کے طور پر ضبط فرماتے تھے کسی اور کی تعلیم و تدریس مقصود نہ تھی، اسی لیے یہ اتنے مختصر ہیں کہ عام قاری اُن سے مستفید نہیں ہوسکتا، پھر بھی بعض ارشادات بڑے فکر انگیز ہیں۔ بہرحال جو کچھ بھی ہے مولانا کے قلم سے ہے۔ اس قسم کی تحریروں کے ایک ایک حرف کی ذمّہ داری مصنّف پر عائد ہوتی ہے۔ ان تحریروں کا درجۂ استناد سب سے بلند ہوتا ہے۔

(ب) مولانا کے امالی "الہام الرحمان فی تفسیر القرآن" مؤلّفہ علّامہ موسیٰ جار اللہ۔ اس کے بارے میں علّامہ مرحوم نے صراحت کی ہے کہ اسے مولانا مرحوم کے الفاظ میں مرتّب کیا گیا ہے اور قرآن حکیم کی تفسیر میں ایک ایک لفظ جو مولانا کی زبان مُبارک سے نکلا اسی وقت ان کے سامنے نہایت کوشش سے ضبطِ تحریر میں لے آیا گیا، لیکن یہ امالی مولانا سندھی کی نظر سے نہ گزرے، نہ اُنھوں نے ان کی تصحیح کی، نہ ان کے بارے میں کوئی رائے دی۔

(ج) علّامہ موسیٰ جار اللہ کے امالی تفسیر "الہام الرحمٰن" کے برابر درجۂ استناد مولانا محمد مدنی رح کی سندھی تفسیر کا ہے۔ یہ تفسیر مولانا عبید اللہ سندھی نے سندھی میں بیان فرمائی اور مولانا مدنی رح نے نہایت صحّت کے ساتھ سندھی میں مولانا مرحوم کی زبان سے نکلے ہُوئے لفظوں میں قلم بند کر تے رہے۔ مولانا محمد مدنی رح نہایت متقی انسان تھے اور دیانتِ علمی میں اُن کا پایہ بہت بلند تھا۔

(د) اُردو میں مولانا سندھی کے امالی تفسیر مولانا عبد اللہ لغاری نے مرتب کیے تھے۔ اُنھوں نے اُن کے صحّت کے ساتھ مرتّب کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کی ہوگی، لیکن علم و دیانت میں اُن کا درجہ مولانا محمد مدنی رح کے برابر نہیں۔ اُن کے متعدد جھوٹ تاریخ کے علم میں آچکے ہیں اس لیے اُن کی دیانتِ علمی پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اُن کے مولّفہ امالی تفسیر کا تیسرے درجے کے بعد کوئی درجہ قرار پائیگا۔

(ہ) مولانا کی وہ تحریریں جو اُن کے تلامذہ نے درس و تقریر کی سماعت کے بعد اپنے طور پر مرتّب کرلیں

کیا جائے اِس قسم کی تحریروں کی ذمّہ داری مولانا پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ اس قسم کی تصانیف و تحاریر میں اُصولِ انقلاب، فکرِ انقلاب، جنگِ انقلاب، عنوانِ انقلاب، قرآنِ کریم کا مقدّمہ اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر وغیرہ ہیں، البتّہ اُن میں سے اگر کسی تحریر کی مولانا نے اصلاح کر دی ہے اور اس پر اپنے اطمینان کا اظہار کر دیا ہے تو اسے ثانوی درجۂ استناد حاصل ہو جائے گا۔ جیسا کہ سورۃ مزمّل اور سورۃ مدثر کی تفسیر کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے۔ استناد کا پہلا درجہ پھر بھی حاصل نہ ہوگا۔

(و) آخری درجہ ان تحریروں کا ہوتا ہے جو کسی شخصیّت کے علوم و افکار کے مطالعے کے بعد عام مضمون نگاروں اور مصنّفوں کے قلم سے نکلتی ہیں اور وہ اپنے علم کی حد تک اور اپنے زعم میں صاحبِ افکار کے طرزِ فکر کے مطابق لکھتے ہیں اس قسم کی تحریریں ادب و تنقید کے عام نقطۂ نظر سے خواہ کسی پائے کی ہوں، لیکن اُنکی ذمّہ داری متعلّقہ شخصیّت پر عائد نہیں ہوتی۔

(ز) ایک تفسیر ایسی بھی ہے جس کے مطالب کی صحّت کو ثابت کر دیے جانے کے باوجود اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ڈاکٹر فیروز الدّین کے قلم سے مولانا سندھی کے امالی تفسیر ہیں، یہ شخص برٹش انٹیلی جنس کا آدمی تھا۔ مکّہ معظّمہ میں اپنے سرکاری فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں مولانا سندھی کا قُرب و اعتماد حاصل کرنے کے لیے اُن کی شاگردی اختیار کی اور دو سال تک مولانا سے تفسیر پڑھتا رہا۔ آخر میں اس کی اصلیّت ظاہر ہوگئی اُس نے خود مولانا سندھی سے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا تھا۔ اقبال شیدائی کے نام مولانا نے ایک خط میں لکھا ہے:

"یہ شخص جو ڈاکٹر فیروز الدّین کے نام سے معروف ہے، اس کا مختصر معاملہ یہ ہے کہ یہ ہندوستانی حکومت کا ملازم تھا اس سے کوئی جرم سرزد ہوا جس کی سزا کے خوف سے وہ ہندوستان سے بھاگ نکلا اس کی ملاقات بعض انقلابی نوجوانوں سے ہوگئی یہ مختلف طریقوں سے اُنہیں دھوکا دیتا رہا۔ اسی طرح مجھ سے اس کا تعارف ہوا میں نے اس پر اعتماد کیا اور اس کے معاملے میں درگزر سے کام لیا۔ وہ تقریباً دو برس مجھ سے قرآن پڑھتا رہا اور اکثر وہ کتابیں بھی پڑھیں جو میں نے لکھی تھیں۔ اس اثناء میں وہ ہمارے بہت سے منصوبوں اور مقاصد سے واقف ہوگیا۔ جبکہ اس نے ہم سے علیحدگی کا ارادہ کیا تو میرے سامنے اعتراف کیا کہ وہ انگریزی قونصل خانے کے بعض اراکین کے حکم سے کام کرتا

ہے۔ اس لیے اسے حق نہیں کہ کسی بات کو مجھ سے منسوب کرے۔ مَیں یہ بات زور دے کر کہوں گا کہ اس کا مجھ سے کوئی تعلّق نہیں۔ اگر اس کے پاس کوئی چیز از قسم کاغذ، کتاب، مُہر وغیرہ ہے تو اس نے اسے غیر شرعی طور پر حاصل کیا ہے۔ یعنی تالا توڑ کر اور جو چاہا لکھ لیا، البتہ اس نے نقدی کو خواہ کم ہو خواہ زیادہ نہیں چھیڑا۔" (مکتوبات سیاسی مولانا عبیداللہ سندھی۔ مرتبہ پروفیسر محمّد اسلم صاحب)

ایسے شخص نے خواہ کتنی ہی دیانت کے ساتھ امالی مرتب کیے ہوں اس کی روایت و املا پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ مولانا محمد مدنی مرحوم نے اپنی تفسیر (امالی) میں بعض آیات کی تفسیر کی تکمیل کے لیے اس کے امالی سے استفادہ کیا، لیکن وہیں اس کی ناقابلِ اعتماد راویانہ حیثیّت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔

ان تفاسیر کے مطالعے میں اگر ایک ترتیب کا بھی خیال رکھا جائے تو قرآنِ حکیم کی انقلابی دعوت سے قاری کا ذہن بہت جلد آشنا ہو سکتا ہے، یعنی پہلے سورۂ فاتحہ سورۂ عصر، سورۂ اخلاص، سورۂ معوذتین اور سورۂ فتح کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے اور اُن کے ذریعے سے انقلاب کی اساس اُصول، فکر اور انقلاب کے بارے میں قرآنِ حکیم کا ابتدائی نظریہ سمجھ لیا جائے جب اُن کے مطالب سے ذہن پوری طرح آشنا ہو جائے تو سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر کی تفاسیر کا مطالعہ کیا جائے تاکہ انقلاب کی قومی منزل اور اس کے مسائل سے واقفیّت ہونے اور انقلاب کی بین الاقوامی منزل کے نشیب و فراز اور پیچ و خم کو سمجھنے اور قرآن کی انقلابی رہنمائی سے مستفید ہونے کے لیے ذہن تیّار ہو جائے اور اُس کے بعد سورۂ قتال کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے تو بین الاقوامی انقلاب کی ضرورت اور اہمیّت اور اس کے مسائل سے ذہن کو آشنا ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

بقیہ: درسِ حدیث

فرق ذرا سا یہ کر دیا ہے کہ نیت اپنی ٹھیک رکھ لی خُدا کی طرف رغبت کہ وہ راضی ہو جائے وہ اجر دے دے۔ اتنا سا کام اتنی سی تبدیلی، مگر یہ اتنی سی نہیں ہے یہ بُنیادی ہے، یہ بُنیادی تبدیلی ہے یہ تبدیلی آجائے تو پھر آدمی میں انقلاب آجاتا ہے، بالکل بدلتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر استقامت بخشے۔

مضامینِ علمیہ

"اصلاحِ مفاہیم" پر ایک نظر

کتاب "اصلاح مفاہیم" جو کہ تبصرہ کے لیے بھیجی گئی تھی اس پر تبصرہ کی پہلی قسط گزشتہ شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ یہ دوسری قسط ہے۔ قارئین پڑھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا کا مصداق ہے۔ یعنی یہ کہ اس میں نفع کم ہے اور نقصانات زیادہ ہیں۔ لہٰذا ہم اس کتاب کے ناشرین سے بجا توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کتاب کی نشر و اشاعت سے لِلّٰہ فی اللہ اجتناب کریں گے

مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب

اَب خیال فرمانا چاہیے کہ عملِ مولد شریف بہیئت و قیود مخصوصہ ظاہر ہے کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور بہ ہے اور نہ کسی دلیل سے ممنوع۔ تو فی حدذاتہ مباح ٹھہرا۔ اَب اسی قاعدۂ اُولیٰ کے موافق ضروری ہوگا کہ اگر اس میں کوئی مفسدہ اعتقادی یا عملی مرتب نہ ہو لازمی نہ متعدی تو اس کے جواز یا استحسان میں کوئی کلام نہیں کر سکتا۔ اور اگر اس میں کوئی مفسدہ مرتّب ہوتا ہو خواہ لازمی خواہ متعدی تو اس کے روکنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر تو سب کا اتّفاق ہے۔ اَب اتنی سی بات میں اختلاف رہ گیا کہ آیا اس میں کوئی مفسدہ ہے یا نہیں۔ اور اسی بات میں اختلاف ہونے سے اس کے جواز ناجواز میں اختلاف طویل و عریض ہو گیا۔ سو مفسدہ کا ہونا نہ ہونا یہ کوئی دقیق بات نہیں جس میں بہت غور و نظر و مباحثہ کی حاجت ہو۔ مشاہدہ و تجربہ و تتبع حالت عاملین سے بسہولت معلوم ہو سکتا ہے۔ سو جہاں تک ان مجالس میں شرکت کا اتّفاق ہوا اکثر عاملین کے عقائد یا اعمال میں غلو و افراط پایا گیا جس کی تفصیل محتاجِ بیان نہیں سو بنا بر قاعدۂ مذکورۂ سابق ان عاملین کے حق میں تو اس عمل کو ممنوع کہنے میں کسی قسم کا شُبہہ ہی نہیں، البتّہ یہ شُبہہ شاید ہو سکے کہ جس کو غلو ہو اس کو روکنا چاہیے اور محتاط خوش عقیدہ کو

کیوں روکا جائے تو اس کا جواب اُوپر کی تقریر سے معلوم ہوچکا ہے کہ جس طرح ضررِ لازمی سے بچنا واجب ہے اسی طرح ضررِ متعدی سے بھی جس حالت میں کسی شخص نے گو احتیاط کے ساتھ یہ عمل کیا، مگر دوسرے دیکھنے والے اس سے سند پکڑ کر بے احتیاطی کرتے رہے تو ضررِ متعدی ظاہر ہے۔

اَب اس قاعدے و حکم کی تائید کے لیے ایک آدھ نظیر پیش کرتا ہوں۔ کسی نعمتِ جدیدہ کی خبر سُن کر سجدۂ شکر کرنا حدیث صحیح سے ثابت ہے اور پھر بھی ہمارے امام تمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں، چنانچہ کُتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ اس کی وجہ بقول علّامہ شامی صرف یہی ہے کہ اس میں احتمال ہے کہ عوام اُس کو سُنّتِ مقصودہ نہ سمجھ جاویں اَب ملاحظہ فرمائیے کہ عوام کے غلط اعتقاد کے احتمال پر خواص کے لیے بھی وہ فعل مکروہ قرار دیا گیا حالانکہ جواز اس کا نص سے ثابت ہے اور مسنون ہونا بھی اس کا مسلم ہے مگر سُنّتِ زائدہ ہے سُنّتِ مقصودہ نہیں۔ جب عقیدے میں اتنے فرق سے حکم کراہت کا کر دیا جاتا ہے تو جو چیز سُنّت بھی نہ ہو صرف مباح یا مستحب ہو اور اباحت و استحسان بھی اس کا محض قیاسی ہو منصوص نہ ہو اور افراط بھی عقیدے میں اس درجہ عوام نے کر لیا ہو کہ فرض واجب سے زیادہ مؤکد قرار دے دیا ہو تو اس حالت میں خواص کے لیے بھی حکم بالکراہت کیوں نہ کیا جاوے گا

ان سب نظائر سے یہ امر کالشمس فی نصف النہار واضح ہوگیا کہ جس طرح اپنے عقیدہ و دین کی حفاظت ضروری ہے۔ عوام کے عقیدہ و دین کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اب ممکن ہے کہ بعض کرنیوالے احتیاط کر لیں، مگر عوام جو اُنکے معتقد و مقلد ہیں اُنکو نہ ان خرابیوں پر نظر ہے نہ اُن سے بچنے کی احتیاط نہ اُن کو یہ خبر ہے کہ ہمارے بزرگوں کے اور ہمارے عمل میں کیا فرق ہے صرف اُنہوں نے یہ دیکھ لیا کہ ہمارے فلاں بزرگ یہ عمل کرتے ہیں پس خود بھی جس طرح چاہا کرنے لگے اس کی احتیاط اہلِ طریقت نے یہاں تک فرمائی ہے کہ جس شخص کو سماع بشرائط جائز اور مباح ہو وہ ایسے شخص کے رُوبرو بھی نہ سُنے جس کو مباح نہیں تاکہ وہ تقلید بے بصیرت کر کے خراب نہ ہو۔

یہ شُبہہ ہوسکتا ہے کہ بعض مانعین تو اس تفصیل کے ساتھ منع نہیں کرتے اور نہ کوئی قید لگاتے ہیں علی الاطلاق کہہ دیتے ہیں کہ مجلس مولد شریف ممنوع و بدعت ہے سو بات یہ کہ مانعین میں بعض تو متشدد ہیں ان کے قول کی تو تاویل ضروری نہیں اور بہت سے بندگانِ

الٰہی منصف و محقق ہیں اُن کا اطلاقِ حکم بالکراہت محض لفظ میں ہے مراد اُن کی عملِ مقید و متعارف ہے... مانع مولد گو صرف مولد کو منع کر رہا ہے مگر مراد اس کی وہی مولد ہے جس میں افراط و تفریط ہو اور جو افراط و تفریط سے خالی ہو گو وہ خود ممنوع نہیں مگر اس وجہ سے کہ دوسرے لوگوں کے لیے ذریعہ افراط و تفریط کا ہے دائرہ منع میں اس کو داخل کر دیا۔

اس اطلاقِ لفظی و تقیید مرادی کی نظیر حدیث میں آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسافر روزہ دار کو ملاحظہ فرمایا کہ غلبہ حرارت و تشنگی سے بے ہوش ہو گیا۔ ارشاد فرمایا لیس من البر الصیام فی السفر یعنی سفر میں روزہ رکھنا اچھا نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا سفر میں جائز ہے پھر بھی آپ نے مطلق لفظ سے ممانعت فرمائی۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ گو لفظ مطلق ہے مگر مراد اس کی یہی ہے کہ ایسی حالت میں روزہ رکھنا اچھا نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ لفظ کا مقید ہونا کبھی لفظ سے ہوتا ہے اور کبھی قرینہ سے۔ اس تفصیل سے یہ شبہہ بھی رفع ہو گیا کہ ان اعمال کو ہزاروں بزرگ کرتے چلے آئے ہیں اب کیوں منع کرتے ہیں وجہ رفع ہونے کی یہ ہے کہ وہ بزرگ خلوص احتیاط و صحتِ عقیدہ کے ساتھ کرتے تھے، اور اُن کے زمانے میں عوام نے یا تو غلو نہ کیا ہو گا یا غلو کی اُن کو اطلاع نہ ہوئی ہو گی یا یہ گمان نہ ہو گا کہ کوئی شخص ہماری اقتدا کرے گا یا یوں سمجھے ہوں گے کہ اگر کسی نے اقتداء کی تو جو بھی اقتداء کرے گا وہ بھی احتیاط کرے گا۔

(مواعظ میلاد النبی، ۲۴۱ تا ۲۴۵)

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا اقتباس کی آخری بات کے بارے میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کی اس بات کا اضافہ فرما لیا جائے کہ

"اگرچہ جن علماء متقدمین کو اس میں اس امر کا (یعنی ضررِ لازم یا ضررِ متعدی کا) خدشہ تھا اُنھوں نے (اپنے دور میں بھی) اس کو مکروہ کہا تھا۔" (براہین قاطعہ ص ۲۶۵)

یہ اقتباسات اپنے مطلب پر اتنے واضح ہیں کہ مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ کہاں ایک طرف مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی یہ باتیں اور کہاں کتاب اصلاح مفاہیم کے مصنف اور مترجم اور دیگر موافقین کا یہ طرزِ عمل کہ وہ بدعتِ اعتقادی اور بدعتِ عملی کے مؤید بن رہے

ہیں۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَهُمَا

ہاں اتنا احتمال تھا کہ اگر اکابرین دیوبند کے گزر جانے کے بعد حالات اس نہج پر پلٹ آئے ہوں جو متقدمین کے دَور میں تھے کہ علمی و عملی افراط و تفریط نہ تھا تو البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ بعض متقدمین علماء کے قول کے مطابق اُن کے دَور کی سی محافل جائز ہوتیں، لیکن چونکہ حالات مجموعی طور سے بدتر ہی ہو رہے ہیں تو اکابرین دیوبند کے طرزِ عمل کے ساتھ وابستگی اور زیادہ ضروری اور مؤکد ہوتی جا رہی ہے۔

اکابرینِ دیوبند کا بتایا ہوا ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ

مولانا تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی کتابیں لے کر جن میں صحیح حالات ہوں اگرچہ ان میں ایک شعر بھی نہ ہو اس کو روزانہ پڑھا کرو۔ اسی لیے میرا بہت روز سے جی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی صحیح معتبر کتاب لکھ دوں، چنانچہ بحمداللہ وہ تیار ہو گئی تو جس کا جی چاہے اس کتاب (یعنی نشر الطیب) کو اپنے پاس رکھے کہ وہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہت مفید ہو گی مگر اس کو مجلسوں میں ان رسوم کے ساتھ نہ پڑھا جائے بلکہ بطور وظیفہ کے قرآن مجید کے بعد پڑھ لیا جاوے جیسا میں نے اُوپر مجنوں کی حالت ذکر کی ہے کہ

گفت مشتقِ نام لیلیٰ می کنم خاطر خود را تسلی می کنم

تو کیا مجنوں نے لیلیٰ کی سالگرہ کی تھی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے لیے قیود کیسے۔ وہ تو ہر وقت کا وظیفہ ہونا چاہیے۔ میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کو دیکھا ہے کہ ہر وقت درود شریف کا ورد رہتا تھا اور بات بہت کم کرتے تھے مگر افسوس ہے کہ جو لوگ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ یاد کریں وہ تو محب ہوں اور جو ہر وقت سرشار رہے اس کو منکر سمجھا جائے کیسا غضب ہے۔ صاحبو کہاں گیا انصاف اور تدیّن۔ اب چاہتے ہیں کہ ذکر بھی اگر ہو تو دوسروں کو دکھلا کر ہو۔ بھائی محبّت میں دکھلانے کی ضرورت ہے؟ اپنی اولاد کے لیے انسان محبّت سے کیا کچھ نہیں کرتا، مگر کیا کسی کو دکھلاتا پھرتا ہے غرض یہ معمول کر لو کہ اس کتاب کے دو چار ورق روز پڑھ لیا کرو اور خود پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے سُن لیا کرو اور

گھر میں روزانہ پڑھ کر سُنایا کرو اور عمر بھر اسی طرح معمول رکھو۔ دیکھیں تو کون منع کرتا ہے تم تو اپنے ہاتھوں منع کراتے ہو۔" (مواعظ میلاد النبی ص۳۴)

تیسری فصل: ان اجتماعات و محافل کو دعوت الی اللہ اور اصلاح کا ذریعہ سمجھنا

کتاب "اصلاح مفاہیم" کے مصنف نے محافل میلاد اور اس طرح کے دیگر اجتماعات کو اصلاح اور دعوت الی اللہ کا بڑا قیمتی اور سُنہری ذریعہ سمجھانے پر اصرار کیا ہے ذرا ان کا انداز ملاحظہ فرمائیے:

"یہ اجتماعات دعوت الی اللہ کا بہت بڑا ذریعہ ہیں اور بہت سُنہری قیمتی مواقع ہیں ان کو ضائع نہ کرنا چاہیے بلکہ علماء و دعاۃ پر واجب ہے کہ اُمّت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات و سیرت و معاملات و عبادات کی یاد دلائیں اور اُن کو وعظ و نصیحت کریں اور شرّ و فتن و ابتداع و بلاء سے ڈرائیں۔"

(اصلاح مفاہیم، ص۳۶۵)

"اس اجتماع کو غنیمت سمجھ کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا اُن کو خیر کی طرف دعوت دینا روکنے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ مشاہدہ یہ ہے کہ اس روکنے سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ روکنے سے لوگوں کی توجّہ اور زیادہ ہوجاتی ہے اور گویا روکنے والا بے خبری میں ان چیزوں کی طرف داعی بن جاتا ہے۔

عقل مند دعوت و فکر والے تو تمنّا کرتے ہیں کہ اس طرح کے اجتماع کا ان کو موقع ملے تو اس میں اپنی دعوت اور افکار کو رائج کریں اور لوگوں کو اپنا بنائیں اسی وجہ سے یہ لوگ ایسے باغات و مجالس اور عام جگہوں کے قرب و جوار میں منڈلاتے رہتے ہیں تاکہ ان کو اپنی طرف کریں۔ ہم بھی دیکھتے ہیں کہ اُمت بہت سے یادگار مواقع پر جمع ہوتی ہے تو بڑی رغبت سے جمع ہوتی ہے تو اس میں ہماری ذمّہ داری کیا ہے؟

اس قسم کے اجتماع کے حکم کے بارے میں مناظرہ و مجادلہ و انکار میں مشغول ہونا وقت ضائع کرنا ہے بلکہ حماقت و جہالت ہے کیونکہ ہم بہت بڑا خزانہ ضائع کر رہے

ہیں اور ایسی فرصت کھو رہے ہیں جو اس جیسے اجتماعات کے علاوہ کہیں اور نہیں مل سکتی۔ لہٰذا ہم کو اس طرح کے بڑے اجتماعات کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔" (اصلاح مفاہیم، ص ۳۶۳)

اس کتاب کے مترجم و دیگر موافقین کو لازم تو یہ تھا کہ وہ اس کتاب کے مصنف کی خدمت میں وہ سب باتیں پیش کرتے جو اکابرین دیوبند سے اس بارے میں منقول ہیں۔ شاید کہ وہ حقائق پر نظر کرتے اور اللہ تعالیٰ اُن کے لیے راہِ صواب کھول دیتے لیکن ان لوگوں نے مصنف کی فکر ہی کو اکابر دیوبند کی فکر کی شرح قرار دے دیا۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

دیکھیے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے مکاتبت کے دوران مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ذہن میں بھی اسی قسم کی باتیں آئی تھیں اور خود مولانا کے بقول ان کو اس سلسلہ میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ لکھتے ہیں۔

"جب میں ہند کو واپس آیا تو طلب کرنے پر (محفل میلاد میں) شریک ہونے لگا اور یہ عزم رکھا کہ ان لوگوں کے عقائد کی اصلاح کی جاوے۔ چنانچہ مختلف مواقع و مجالس میں ہمیشہ اس کے متعلق گفتگو کرتا رہا اور جتنے امور اصل عمل سے زائد تھے۔ سب کا غیر ضروری ہونا اور اُن کی ضرورت کے اعتقاد کا بدعت ہونا صاف صاف بیان کرتا رہا حتّٰی کہ اس وقت میری رائے میں اُن کا عقیدہ بعض کا عین توسط پر بعض کا قریب توسط کے آ پہنچا، مگر بوجہ قدامتِ عادت کے عمل کے ارتفاع کی اُمّید نہیں ہے۔ عدمِ شرکت میں اس اصلاح کی ہرگز توقع نہ تھی ایک غرض تو میری شرکت سے یہ تھی۔ دوسرے میں نے وہاں دیکھا کہ وعظ میں لوگ کم آتے ہیں اور ان مجالس میں زیادہ اور ہر مذاق اور ہر جنس کے چنانچہ ان مجالس میں موقع اُن کے پند و نصائح اور اصلاحِ عقائد و اعمال کا بخوبی ملا اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی اپنے عقائدِ فاسدہ و اعمالِ سیّئہ سے تائب و صالح ہو گئے۔ بہت روافض سنی ہو گئے۔ بہت سے سود خور شرابی بے نمازی وغیرہم درست ہو گئے۔ غرض اکثر حصّہ وعظ ہوتا تھا۔ دوسرا بیان برائے نام ... اور یوں خیال ہوتا ہے کہ اگر خود ایک مکروہ کے ارتکاب سے دوسرے مسلمانوں کے فرائض و واجبات کی حفاظت ہو تو اللہ تعالیٰ سے اُمّید تسامح ہے۔" (مواعظ میلاد النبی ص ۲۷۰)

"چنانچہ دیار و امصارِ شرقیہ میں بوجہ غلبۂ الحاد و دہریت یا کثرتِ جہل و غفلت سے

حال ہے کہ وعظ کے نام سے کوسوں بھاگتے ہیں اور ان محافل میں یا بوجاہتِ میزبان یا اور کسی وجہ سے آکر فضائل و شمائلِ نبویہ اور اس ضمن میں عقائد و مسائل شرعیہ سُن لیتے ہیں۔ اس ذریعہ سے میرے مشاہدہ میں بہت لوگ راہ حق پر آگئے۔ ورنہ شاید عمر گزر جاتی کہ کبھی اسلام کے اصول و فروع اُن کے کان میں بھی نہ پڑتے اور اگر توقّف سے قطع نظر کیا جاوے تب بھی ترتّب یقیناً ثابت ہے۔ سو جواز کے لیے یہ بھی کافی معلوم ہوتا ہے"۔

(مواعظ میلاد النبی ص ۲۸۱)

اَب دیکھیے مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ جو کہ اساطین دیوبند میں سے ہیں جواب میں کیا قول فیصل مرحمت فرماتے ہیں۔

"داعی عوام کو سماع ذکر کی طرف ہونا اس وقت تک جائز ہے کہ کوئی منع شرعی اس کے ساتھ لاحق نہ ہو ورنہ رقص و سرود زیادہ تر داعی ہیں اور روایاتِ موضوعہ زیادہ تر موجبِ محبت گمان کی جاتی ہیں۔ پس کون ذی فہم بعلّتِ دعوتِ عوام ان کا مجوّز ہو جائے گا۔ یہ جواب آپ کی تقریر کا ہے کہ سماعِ ذکرِ ولادت بہیئتِ کذائیہ کو آپ موجبِ ازدیادِ محبّت تصوّر کر رہے ہیں اور بذریعہ غیر مشروع کے تحصیلِ محبت کی اجازت دیتے ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت جو امرِ خیر کہ بذریعہ نامشروعہ حاصل ہو، وہ خود ناجائز ہے . . . اور اگر تسلیم کیا جاوے کہ آپ کی محفل میلاد خالی ہے جملہ منکرات سے اور کوئی امرِ نامشروع اس میں نہیں ہے تو دیگر مجالس تمام عالم کی تو سراسر منکر ہیں اور یہ فعل آپ کا ان کے لیے مؤید ہے پس یہ فعل مندوب آپ کا جب مغوی خلق ہُوا تو اس کے جواز کا کیسے حکم کیا جاوے گا"۔

(مواعظ میلاد النبی ص: ۲۸۴)

چوتھی فصل: دلائل مناسبات ــــ حضرت ثوبیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کا قصّہ

مروّجہ محافل میلاد کے بارے میں مصنف کتاب "اصلاح مفاہیم" نے کوئی دلائل و مناسبات ذکر نہیں کیے۔ صرف ایک قصّہ ثوبیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کا ذکر کیا ہے۔

دلائل و مناسبات پر مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے وعظ "السرور" میں تفصیل سے کلام کیا ہے جن حضرات کو دلچسپی ہو وہ اس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ہم یہاں اسی وعظ کے ایک اقتباس کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو ثوبیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی سے متعلق ہے۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"دوسرا استدلال موجدین کا اس حدیث سے ہو سکتا ہے کہ جب ابولہب نے حضور کی ولادت کی خبر سُنی تو خوشی میں آکر ایک باندی آزاد کر دی تھی اور اس پر عقوبت میں تخفیف ہو گئی۔پس معلوم ہُوا کہ ولادت پر فرح جائز و موجب برکت ہے۔

جواب اس کا بھی ظاہر ہے کہ ہم نفسِ فرحت کے منکر نہیں ہیں بلکہ اس پر ہر وقت عامل ہیں گفتگو تو اس ہیئت کذائیہ میں ہے۔" (مواعظ میلادالنبی، ص: ۱۵۰)

بحث دوم ــــ خصائص نبویہ

فصل اوّل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک

کتاب "اصلاح مفاہیم" کے مصنف لکھتے ہیں۔

"حکیم ترمذی نے ذکوان سے روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دھوپ اور چاندنی میں سایہ نہ تھا۔ابن سبع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں ذکر کیا ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ ہوتا تھا اور بعض علماء نے کہا کہ اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا واجعلنی نورًا والی حدیث سے پیش کی ہے۔" (اصلاح مفاہیم، ص: ۲۳۷)

ہم کہتے ہیں کہ مصنف اصلاح مفاہیم نے اگر اس کے اخذ کرنے میں خطا کی ہے تو مترجم اور دیگر معاونین تو علمائے دیوبند کی کتابوں سے ناواقف نہ تھے۔ان کے ذمّے تھا کہ وہ مصنف کی اصلاح کرتے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے کوئی اور مسلک اختیار کر کے مصنف کی کتاب کو اپنے لیے تائید و تقویت خیال کیا ہے۔

امداد الاحکام جلد اوّل صفحہ ۲۴۶ پر ہے۔

"حافظ سیوطی نے خصائص کبری میں ایک روایت ضعیف حکیم ترمذی سے اس مضمون

کی نقل کی ہے جس میں عبدالرحمٰن بن قیس زعفرانی بہت ضعیف راوی ہے جس کی توثیق کسی نے نہیں کی بلکہ بعض نے کذب و وضع کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔"

امداد الفتاوٰی جلد پنجم ص: ۴۰۶ پر ہے۔

بعض نے واجعلنی نورا سے استدلال کیا ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ سایہ ظلمت کا ہوتا ہے۔ مگر ضعف اس کا ظاہر ہے۔ شاید حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سر پر ابر رہنا اس کی اصل ہو کیونکہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ سایہ نہ ہوگا، لیکن خود صحاح میں روایت ہے کہ آپ کے سر مبارک پر بعض اوقات سفر میں صحابہ کپڑے کا سایہ کیے ہوئے تھے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابر کا رہنا بھی دائمی نہ تھا۔

خیر الفتاوٰی جلد اوّل ص: ۳۳۳ تا ص: ۳۳۶ میں تو کئی حوالوں سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے سایہ کا ہونا ثابت کیا ہے، چنانچہ مفتی محمد انور صاحب ایک سائل کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

صحیح روایات و احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا سایہ مبارک تھا۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اذا سجد قال اللھم سجد لك سوادی وخیالی وبك اٰمن فؤادی ابؤ بنعمتك علی و ھذا ماجنیت علی نفسی یا عظیم یا عظیم اغفر لی فانہ لا یغفر الذنوب العظیمۃ الا الرب العظیم۔ (ج: ۱، ص: ۵۳۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم عموماً حالتِ سجدہ میں یہ پڑھا کرتے تھے کہ یا اللہ میرے جسم اور سایہ نے تجھے سجدہ کر دیا اور دل بھی تجھ پر ایمان لے آیا اور میں خود بھی تیری نعمتوں کا معترف ہوں اور اپنی لغزشوں کی معافی بھی تجھ ہی سے چاہتا ہوں۔ مولا! تو بڑا ہے بڑے ہی بڑی لغزشیں معاف فرمایا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں لفظِ "خیال" استعمال ہوا ہے۔ لفظِ "خیال" کے بارے میں علّامہ احمد مصطفی المراغی اپنی تفسیر "المراغی" میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"والظلال واحدها ظل وهو الخيال الذى يظهر للجرم"

یعنی ظلال کا واحد ظل ہے جس کے معنی خیال کے ہوتے ہیں اور خیال وہ ہے جو جسم کے لیے بصورتِ سایہ ظاہر ہوتا ہے۔

تفسیر بحر المحیط میں علامہ ابوحیان فرماتے ہیں۔

"قال الفراء الظل مصدر يعنى فى الاصل ثم اطلق على الخيال الذى يظهر للجرم وطوله بسبب انحطاط الشمس وقصره بسبب ارتفاعها فهو منقاد لله تعالىٰ فى طوله وقصره وميله من جانب الى جانب"

(بحر المحیط: ۵، ص: ۳۷۸)

مشہور نحوی فراءؒ فرماتے ہیں لفظِ ظل اصل میں مصدر ہے پھر اس کو خیال کے معنی میں لے لیا گیا ہے جو بصورت سایہ جسم کے لیے ظاہر ہو جس کی لمبائی سورج کے نیچا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور کمی سورج کے بلند ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ سایہ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرماں بردار رہتا ہے کمی اور زیادتی میں بھی اور اِدھر اُدھر جھکنے میں بھی۔

مذکورہ بالا دونوں حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ "سجدلك سوادى وخيالى" جسم اور سایہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نیز اس روایت کو علامہ ذہبیؒ نے تلخیص مستدرک میں حدیث صحیح کہا ہے۔

دوسری حدیث: عن انس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه قال بينما النبى صلى الله عليه وسلم يصلى ذاتَ ليلةٍ صلاةً اذ مدّ يده ثم اخّرها فقلنا يا رسول الله رأيناك صنعتَ فى هذه الصلاة شيئًا لم تكن تصنعه فيما قبله قال اجل انه عرضت على الجنة فرأيت فيها دالية قطوفها دانية فاردتُ ان اتناول منها شيئًا فاوحى الى ان استأخر فاستأخرتُ ثم عرضت على النار فيما بينى وبينكم حتى رأيت ظلى وظلكم فيها فاومیت اليكم ان استاخروا

(مستدرک حاکم، ج: ۴، ص: ۴۵۶)

حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خادمِ خاص سیّدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں نماز پڑھائی اور نماز کی حالت میں آپ کا ہاتھ مُبارک اچانک آگے بڑھا مگر پھر جلد ہی پیچھے ہٹا لیا۔ ہم نے عرض کیا کہ حضورؐ! آج تو آپ نے خلافِ معمول نماز میں نئے عمل کا اضافہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ قصّہ یہ ہے کہ میرے سامنے ابھی ابھی جنّت پیش کی گئی۔ مَیں نے اس میں بہترین پھل دیکھے تو جی میں آیا کہ اس میں سے کچھ اچک لوں مگر فوراً حکم ملا کہ پیچھے ہٹ جاؤ تو میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھر مجھ پر جہنّم پیش کی گئی۔ اس کی روشنی میں مَیں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا، دیکھتے ہی مَیں نے تمہاری طرف اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹے رہو۔

اس روایت کو بھی علّامہ ذہبی نے حدیثِ صحیح کہا ہے۔

تیسری حدیث: عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کان فی سفرٍ له۔ فاعتل بعیر لصفیة وفی ابل زینب فضل فقال لہا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان بعیرًا لصفیة اعتل فلو اعطیتہا بعیرًا من ابلكِ فقالت انا اعطی تلك الیہودیة قال فترکہا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ذا الحجة والمحرم شہرین او ثلاثة لا یاتیہا قالت حتی أیستُ منه وحولت سریری قالت فبینما انا یوما بنصف النہار اذا انا بظل رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مقبلاً

(مسند امام احمد بن حنبلؒ، ج: ۶، ص: ۱۳۲)

حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک سفر میں تھے کہ اچانک حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اُونٹ بیمار ہوگیا۔ اتفاق سے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک سواری زائد تھی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اپنی زائد سواری حضرت صفیہؓ کو دے دو حضرت زینب نے کہا کیا اس یہودیہ کو دوں؟ پس اس پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ناراض ہوگئے اور ذوالحجہ اور محرم دو تین مہینے مسلسل اُن کے پاس بھی نہیں آئے۔ حضرت زینبؓ

فرماتی ہیں، یہاں تک کہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئی اور اپنا سامان وغیرہ بھی منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا، مگر اچانک ایک دن کیا دیکھتی ہوں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سایۂ مبارک آرہا ہے۔

چوتھی حدیث

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه انه ذکران رسول الله صلّی الله علیه وسلّم حدثهم ان جبریل علیه السّلام جاءه فصل به الصلوٰت وقتین وقتین الا المغرب جاءنی صلی بی الظهر حین کان فیئی مثل شراك نعلی ثم جاء فصلی بی العصر حین کان فیئی مثلی

الحدیث (رواه بزار و صاحب مجمع الزوائد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے دو دو وقت کی نمازیں پڑھائیں مگر مغرب دونوں دن ایک ہی وقت پر پڑھائی۔

ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب میرا سایہ میرے تسمے کے برابر ہوگیا اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب میرا سایہ میرے برابر ہوگیا۔

مذکورہ بالا احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سایہ مبارک تھا۔ فقط واللہ اعلم

فصل دوم: وہ سب چیزیں دیکھ اور سن سکتے ہیں جو عام بشر نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں۔

مصنف کتاب "اصلاح مفاہیم" نے اس مذکورہ عنوان کے تحت جو حدیث دی ہے اور اسکا جو ترجمہ کیا گیا ہے اس سے عنوان میں شامل لفظ سب کا مفہوم کہیں نہیں ملتا۔ ترجمہ کو ہم نے اصل عربی کے ساتھ ملا کر دیکھا تو ہمیں یہ مترجم کا اپنی جانب سے اضافہ نظر آیا۔ اگرچہ الفاظ سب چیزوں میں تاویل کر لی جائے گی کہ جو نبوّت، کے شایانِ شان ہوں یا جو منصبِ نبوّت کے لیے ضروری ہوں، لیکن عنوان دینے والے نے مفاہیم کی اصلاح کے موقع پر جو بے تدبیری کی ہے وہ نظر انداز کیے جانے کے لائق نہیں۔ حدیث میں ما کا لفظ جو بذاتِ خود نہ تو کل کے

معنی پہ دلالت کرتا ہے اور نہ ہی اس کو مستلزم ہے اور بعض سے ما کا معنی ادا ہو جاتا ہے۔
اس غلطی و بے تدبیری کا نقصان یہ ہے کہ جو بدعتی لوگ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علم کے بارے میں غلو کرتے ہیں اور نصوص سے تجاوز کرتے ہیں اُن کو تائید حاصل ہوتی ہے اور اُن کو صحیح عقیدہ کے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ایک اور ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے۔

حدیث ملاحظہ فرمائیے:

"عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم انی اری مالا ترون واسمع مالا تسمعون۔ اطت السماء وحق لھا ان تئط والذی نفسی بیدہ ما فیھا موضع اربعۃ اصابع الا وملک واضع جبھتہ ساجد للہ واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا۔ وما تلذذتم بالنساء علی الفرشات ولخرجتم الی الصعدات تجأرون الی اللہ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا میں دیکھتا ہوں وہ جو تم نہیں دیکھتے اور میں سُنتا ہوں وہ جو تم نہیں سُنتے۔ اور آسمان چرچرا رہے ہیں اور اُن کو اس کا حق ہے قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے آسمان میں چار اُنگلیوں کی مقدار بھی کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جس میں فرشتوں نے اپنی پیشانی سجدہ کے لیے نہ رکھی ہوئی ہو۔ خدا کی قسم اگر تم لوگ جان لو وہ اُمور جو کہ میں جانتا ہوں تو تم لوگ تھوڑا ہنسو اور زیادہ رویا کرو اور تم لوگ اپنے بستروں پہ عورتوں سے لذّت حاصل نہ کرو۔ اور البتّہ تم لوگ جنگل کی طرف نکل جاؤ اور اللہ کے سامنے گڑگڑاؤ اور خُوب چلاؤ اور شور مچاؤ۔ (ص ۲۳۵ اصلاحِ مفاہیم)

فصل سوم: نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف علمِ غیب حاصل ہونے کی نسبت

مصنّف "اصلاح مفاہیم" زیرِ عنوان بعض ایسے اُمورِ مشترکہ جو اللہ کی پاک ذات کے منافی نہیں لکھتے ہیں کہ

"بہت سے لوگ دونوں مقاموں کے مابین اُمورِ مشترکہ کے سمجھنے میں خطا کر گئے ہیں اور اُن کا یہ خیال ہے کہ ان اُمور کی مخلوق کی طرف نسبت شرک ہے ... ان ہی اُمورِ مشترکہ میں سے بعض اُمور نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات ہیں کہ جن کو سمجھنے میں (معترضین) خطا کرتے ہیں اور ان خصوصیات کو بشریت کے پیمانے پر قیاس کرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ لوگ ان خصائص کو بڑا سمجھتے ہیں اور یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصوصیات کے ساتھ متصف ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض صفاتِ الوہیت کے ساتھ متصف کر دیا گیا ہے یہ واضح جہالت ہے کیونکہ اللہ پاک جس کو چاہے جس طرح چاہے اور جو چاہے دے دیتے ہیں بلا کسی شرط و موجب کے ان پر کوئی جبر نہیں اس میں حقوقِ ربوبیت و صفاتِ الوہیت کا اثبات نہیں ہے اور اللہ کے حقوق ربوبیت و صفاتِ الوہیت محفوظ ہیں جب مخلوق ان میں سے کسی وصف کے ساتھ متصف ہوتی ہے تو وہ وصف بشریت کے مناسب محدود و مکتسب ہوتا ہے۔

(اس کی) دوسری مثال علم غیب کی ہے کہ علم غیب بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

قل لا یعلم من فی السماوات والارض الغیب الا اللہ

آپ کہہ دیں کہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب بہت سکھایا تھا۔ (جزئیاً نہ کلیاً) اور بہت کچھ دیا، چنانچہ ارشاد ہے۔

عٰلم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول

غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر ہاں اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو۔" (اصلاح مفاہیم، ص: ۶۵ - ۶۶)

اپنی اس عبادت میں مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور خصوصیات (بعض) علم غیب حاصل تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف علمِ غیب کی نسبت کرنا صحیح ہے۔

مصنف کے تو جو خیالات و افکار ہیں وہ تو ظاہر ہوئے ہی ہیں افسوس تو مترجم اور ناشرین پر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اکابرینِ دیوبند کے خوشہ چیں بھی کہتے ہیں لیکن ان کی باتوں سے یا تو غافل ہیں یا تغافل کے مرتکب ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"علم غیب خاصہ حق تعالیٰ کا ہے۔ اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں۔" (تقویت الایمان، ص:۲۶۴ مطبوعہ کُتب خانہ مجیدیہ ملتان)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"آپ کی ذات مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب ؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے بعض علوم غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السّلام کو بھی حاصل ہیں۔"

نیز فرماتے ہیں۔

"مطلق غیب سے مراد اطلاقات، شرعیہ میں وہی غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور اس کے لیے کوئی واسطہ اور سبیل نہ ہو اس بناء پر

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ (النمل ۲۷ : ۶۵)

اے پیغمبر تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں غیب کی مگر اللہ

اور

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرتُ من الخیر وما مسنی السوءُ (اعراف ۷ : ۱۸۸)

اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو بُرائی کبھی نہ پہنچتی۔

وغیرہ فرمایا گیا ہے اور جو علم بواسطہ ہو اس پر غیب کا اطلاق محتاجِ قرینہ ہے تو بلاقرینہ مخلوق پر علم غیب کا اطلاق موہم شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہوگا۔"

(حفظ الایمان، مطبوعہ انجمن ارشاد المسلمین)

فصل چہارم : موہم ضلال عنوانات

مصنف نے اور مصنف کی پیروی میں مترجم نے کتاب "اصلاح مفاہیم" میں بعض ایسے عنوان قائم کیے ہیں جو عام قاری کو یہ تأثّر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جنّت کے بارے میں اختیار دے رکھا ہے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے اس تفویض کردہ اختیار سے

کسی کو جنت کی ضمانت اور کسی کو جنت میں داخلہ کا پروانہ اور کسی کو جنّت عطا فرماتے ہیں۔ اس تأثّر سے قائم ہونے والا عقیدہ غلط ہے۔ ایسے موجبِ ایہام عنوانات سے مصنف اور مترجم کو پرہیز لازم تھا۔ خصوصًا جبکہ ہمارے ماحول میں ایسے گمراہ لوگ موجود ہیں جو جنّت کو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہی جاگیر قرار دیتے ہیں اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مختار کل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

اگرچہ مصنف نے اپنے عقیدے کی وضاحت کی ہے کہ "ان (یعنی انبیاء) کی طرف ان کی تعظیم و احترام و کرامت کی وجہ سے تصرف کی بھی اضافت کر دی جاتی ہے۔ اس طریقہ سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خصائص میں یہ تعبیر کرنا کہ آپ نے جنّت کی زمین کو تقسیم فرمایا یا جنّت کی ضمانت دی یا جنّت کو فروخت کیا یا جنّت کی بشارت دی باوجودیکہ جنّت اللہ جل شانہٗ ہی کی ہے۔"

لیکن جبکہ عوام کے ایسے عناوین سے غلط تأثّر لینے کا اندیشہ موجود ہے اور مصنف بھی ان کو مطلق نہیں بلکہ باذن اللہ کے ساتھ مقید مانتے ہیں تو ایہام سے بچنے کے لیے لازم تھا کہ ان عناوین کو مطلق نہیں مقید ذکر کرتے

پھر طرفہ تماشہ ہے کہ بسا اوقات عنوان کے ساتھ ماتحت مذکور حدیث و روایت کو کچھ مناسبت بھی نہیں ہے۔

مثال ۱: صفحہ ۲۱۸ پر یہ عنوان ہے "نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم جنّت کی ضمانت دیتے ہیں۔" اس عنوان کا واضح اور عام مطلب یہ ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے حاصل شدہ اختیار سے دنیا ہی میں جنّت کی ضمانت دیتے ہیں۔ حالانکہ اس عنوان کے تحت مذکور روایت میں ہے "ایک جماعت نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ پر بیعت کی وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ چوری و زنا نہ کریں گے۔ اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں گے اور یہ کہ کوئی بہتان اپنی طرف سے نہ باندھیں گے اور کسی بھلے کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس عہد کو پورا کرو تو تم سب کے لیے جنّت واجب ہے اور اگر تم اس سے کوتاہی کرو تو تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہے وہ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو مغفرت کر دے۔" (اصلاحِ مفاہیم ص ۲۱۹)

اس واقعہ کے اور الفاظ جو دوسری روایتوں سے مصنّف نے نقل کیے ہیں۔ وہ سب مذکورہ مضمون پر محمول ہیں۔

اس روایت سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ جنّت دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں بتایا کہ کن اعمال پر جنّت ملتی ہے اور کن اعمال پر سزا ہو سکتی ہے۔ اس مضمون کی قائم کیے گئے عنوان سے کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔

مثال ۲ صـ۲۲۰ پر یہ عنوان دیا گیا ہے۔ "آپ کے دستِ مبارک سے دخولِ جنّت کا پروانہ"

اس کا ظاہر اور فوری مطلب یہ ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دُنیا میں کسی کو اپنے دستِ مبارک سے دخولِ جنّت کا پروانہ عطا کیا۔ حالانکہ اس کے تحت روایت کے متعلقہ الفاظ یہ ہیں۔

فما ازال اشفع حتی اعطی	میں (قیامت کے دن) شفاعت کرتا رہوں گا
صکاکا برجالٍ قد بعث	حتّٰی کہ مجھے کچھ لوگوں کا پروانہ دے دیا جائے گا
بھو الی النار۔	جن کو دوزخ میں بھیج دیا ہوگا۔

عنوان اور ماتحت روایت کے درمیان عدمِ مناسبت کو معلوم کرنا مشکل نہیں۔

مثال ۳ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جنّت عطا فرمائیں گے۔ یہ عنوان صـ۲۲۱ پر قائم کیا گیا ہے۔

یہ عنوان اہلِ بدعت کے بدعتی عقیدہ کا موہم ہے، حالانکہ مصنف خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اضافت مجازی ہے حقیقی نہیں۔ تو مصنف پر ضروری تھا کہ وہ ایہام سے بچنے کے لیے کوئی مناسب قید لگاتے۔

مثال ۴ صفحہ ۱۷۹ پر یہ عنوان دیا گیا ہے۔ "حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا حضور سے اپنی آنکھ کی دُرستگی کے لیے اِستغاثہ"

مصنف اس عنوان کے تحت جو روایت لائے ہیں وہ اس طرح ہے۔

وقد ثبت ان قتادۃ بن النعمان	حضرت قتادہ بن نعمان رضؓ سے ثابت ہے کہ اُن کی
اصیبت عینہ فسالت حدقتہ علی	آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل کر چہرہ پر آ گیا تو لوگوں

وجنته فارادوا ان يقطوها	نے چاہا کہ آنکھ کی رگ کو کاٹ دیں تو انھوں نے
فقال لا حتی استامر رسول اللہ صلی	کہا کہ نہیں مَیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے
علیہ وسلّم فاستامرہ فقال لا ثم وضع	مشورہ کر لوں۔ تو آپ نے مشورہ میں فرمایا نہیں
راحته علی حدقته ثم غمزها	پھر اپنی ہتھیلی کے ذریعہ قتادہ کی آنکھ کے ڈھیلے
فعادت کما کانت فکانت	کو حلقہ میں رکھ دیا تو پھر وہ ٹھیک ہو گئی، جیسی
اصح عینیه -	تھی بلکہ پہلے سے اچھی۔(اصلاح مفاہیم، ص ١٧٩)

ہم کہتے ہیں کہ جس قسم کے استغاثہ کو مصنّف ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اگلی بحث میں ہم تفصیل سے ذکر کریں گے مصنّف اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی کسی نبی یا ولی سے خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ یوں کہے کہ مجھے شفا دیجیے تو یہ استغاثہ جائز ہے اور ظاہر ہے کہ عوام بھی اسی کو استغاثہ سمجھتے ہیں۔ مصنّف کا اس روایت سے استدلال صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کہیں نہیں آیا کہ حضرت قتادہؓ نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جا کر یہ کہا ہو کہ (چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا اور تصرف کی قوت دے رکھی ہے) لہٰذا آپ (اس قوت سے کام لیتے ہوئے) مجھے ٹھیک کر دیجیے اور شفا دیجیے۔ بلکہ وہ تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مشورہ کرنے گئے کہ آیا تجویز کردہ علاج کرائیں یا نہیں۔

مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ لکھتے ہیں۔ ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: ان شئت رددتها ودعوت الله اگر تو چاہے تو میں آنکھ کے ڈھیلے کو اس کی جگہ رکھ کر خدا سے دعا کروں کہ وہ صحیح کر دے۔ حضرت قتادہؓ نے کہا حضرت یہی میری آرزو ہے، چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آنکھ کے ڈھیلے کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ کر فرمایا اللھم اکس جمالا یعنی اے اللہ اسکی آنکھ کو جمال اور روشنی عطا فرما۔ (ص ١٥٨ دل کا سرور۔ مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ)

ملاحظہ فرمایئے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آرزو اگرچہ یہی ہے کہ ان کی آنکھ صحیح ہو جائے اور اس کے لیے اگر وہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے درخواست کرتے کہ آپ دعا فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھ کو اپنی قدرت سے درست کر دیں تو یہ صحیح ہوتا اور یوں بھی درخواست کرتے کہ آپ اس کے علاج کی کوئی تدبیر بتا دیں تو یہ بھی درست تھا، لیکن مصنّف جس قسم کے استغاثہ کو ثابت کرنے کے درپے ہیں وہ اس روایت سے کیا کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

"مفاہیم" کی ایک تقریظ پر تائیدی دستخط سے رجوع

بسم اللہ حامداً ومصلیاً

عربی کتاب "مفاہیم یجب ان تصحح" جس کا حال ہی میں اُردو ترجمہ شائع کیا گیا ہے اس پر لکھی گئی ایک تقریظ پر میرے تائیدی دستخط موجود ہیں۔ یہ دستخط محض حسنِ ظن کی بناء پر کر دیے گئے تھے۔ میرا قدیم سے تعلق حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے رہا ہے جو کہ اکابرین دیوبند کے سلسلہ کی ایک کڑی تھے۔ اَب معلوم ہُوا کہ اس کتاب کے بعض مندرجات ہمارے حضرات اکابرین دیوبند کی تصریحات جو کہ تذکرۃ الرّشید ص۱۱۴ تا ص۱۳۶ اور المہند علی المفند میں مذکور ہیں کے خلاف ہیں لہٰذا میں اپنے ان تائیدی دستخطوں سے رجوع کرتا ہوں اور اس کتاب کی ناحق باتوں سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

۵ ربیع الاوّل ۱۴۱۵ھ

حضرت مولانا (عبد الغنی) صاحب مدظلہ
سابق مدرس جامعہ مدنیہ، لاہور۔

انوارِ مدینہ

نہ پہنچنے یا تاخیر سے پہنچنے کی شکایت حافظ محمّد یعقوب صاحب خادمؒ انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے کی جائے، خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا جائے۔

(ادارہ)

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

دس سورتیں دس چیزوں سے بچاتی ہیں

علّامہ جلال الدّین سیوطی رحمہ اللہ (متوفیٰ ۹۱۱ھ) تحریر فرماتے ہیں :

"عشرة اشياء تمنع عشرة اشياء الفاتحة تمنع غضب الرب يٰسين تمنع عطش القيامة لدخان تمنع من اهوال القيامة الواقعة تمنع الفقر و الفاقة الملك تمنع عذاب القبر، الكوثر تمنع خصومة الخصماء الكافرون تمنع الكفر عند النزع ، الاخلاص تمنع النفاق ، الفلق تمنع حسد الحاسدين ـــــ والناس تمنع الوسواس"

دس چیزیں (سورتیں) دس چیزوں سے بچاتی ہیں۔ ۱۔ سورۃ فاتحہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچاتی ہے۔ ۲۔ سورۃ یٰسین قیامت کے دن پیاسے رہنے کے لیے مانع ہے۔ ۳۔ سورۃ دخان قیامت کی ہولناکیوں سے بچاتی ہے۔ ۴۔ سورۃ واقعہ فقر و فاقہ سے بچاتی ہے۔ ۵۔ سورۃ ملک عذابِ قبر سے بچاتی ہے۔ ۶۔ سورۃ الکوثر دُشمنوں کی دُشمنی سے بچاتی ہے،، ۷۔ سورۃ کافرون موت کے وقت کفر سے بچاتی ہے، ۸۔ سورۃ اخلاص منافقت سے بچاتی ہے۔ ۹۔ سورۃ فلق حاسدوں کے حسد سے بچاتی ہے۔ ۱۰۔ سورۃ الناس وسوسوں سے بچاتی ہے۔

چار چیزیں زہر قاتل ہیں اور چار چیزیں اُنکا تریاق ہیں

۱۔ دُنیا زہرِ قاتل ہے اور زہد (دُنیا سے بے رغبتی) اس کا تریاق ہے ۲۔ مال زہرِ قاتل ہے۔ زکوٰۃ اس کا تریاق ہے ۳۔ کلام (ہر وقت بولنا) زہرِ قاتل ہے اور ذکرِ اللہ اُس کا تریاق ہے ۴۔ دُنیا کی بادشاہت زہرِ قاتل ہے اور عدل و انصاف اس کا تریاق ہے۔"[1]

عطاءِ خداوندی

علّامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"تمام رُوئے عالم کی بجلی کا وزن روشنی کے پیمانے سے ایک بٹہ چار چھٹانک ہے یعنی سوا تولہ، اور سورج کی صرف وہ روشنی جو زمین تک پہنچتی ہے اور اس سے روشنی کے علاوہ نظامِ کائنات کے بے شمار کام سرانجام ہوتے ہیں وہ ایک بٹہ دو ارب ہے یعنی اگر اس کے دو ارب حصّے کر دیے جائیں تو صرف ایک حصّہ زمین پر واقع ہوتا ہے، چنانچہ اس روشنی کا وزن چار ہزار چار سو اسّی من ہے اور اگر اس کی قیمت لگائی جائے تو کرۂ ارض کے دس ہزار سال کی کل آمدنی سورج کی ایک بٹہ دو ارب (روشنی) کی قیمت پوری نہیں کر سکتی ہے۔"[2]

اللہ کی عطاء کے قربان جائیے وہ ہمیں اس روشنی سے بلا قیمت نواز رہا ہے۔

شیطان کی ماں

امام رازیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک واعظ سے منقول ہے کہ اُنھوں نے اپنی مجلسِ وعظ میں یہ بیان کیا کہ بندہ جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے پاس ستّر شیطان آتے ہیں اور اُس کے ہاتھ پاؤں اور دل سے چمٹ کر اُسے صدقہ کرنے سے روکتے ہیں، مجلسِ وعظ میں سے ایک صاحب یہ سُن کر بولے کہ میں ان ستّر شیطانوں سے لڑوں گا، چنانچہ وہ صاحب مسجد سے چلے اور اپنے گھر آئے، دامن کو گندم سے بھرا اور صدقہ کرنے کے ارادہ سے نکلے ان صاحب کی بیوی (نے دیکھا تو) کُود کر آئی اور میاں سے لڑنے جھگڑنے لگی، حتّٰی کہ اُن کے دامن سے ساری گندم نکال ڈالی، وہ صاحب خائب و خاسر ہو کر دوبارہ مسجد چلے آئے واعظ نے پُوچھا میاں کیا کر کے آئے؟ بولے ستّر شیطانوں کو تو میں نے شکست دے دی تھی، لیکن کیا

---

[1] الکنز المدفون صـ۹۶ [2] ماہنامہ الحق ش ۳ ج ۱۹ صـ۳۳

کرتا اُن کی ماں آ پہنچی اور اس نے مجھے شکست دے دی۔"[1]

بدفہم آدمی کا کوئی علاج نہیں

"ایک شخص کے لڑکے کی شادی تھی، لڑکے کے باپ نے ایک شخص سے دُولہا کے لیے دوشالہ لے لیا۔ دوشالے والے بھی بارات کے ہمراہ گئے۔ قاعدہ ہے کہ لوگ دُولہا کو دیکھنے کے واسطے آکر پُوچھتے ہیں، کسی نے آکر پُوچھا کہ دُولہا کون سا ہے؟ دوشالے والے صاحب بولے کہ دُولہا تو یہ ہے اور دوشالہ میرا ہے لڑکے کے باپ نے کہا کہ میاں تم بڑے مہمل آدمی ہو، اس کے کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ دوشالہ میرا ہے، کہنے لگے کہ واقعی غلطی ہوئی اَب احتیاط رکھوں گا، اتنے میں کسی اور نے دُولہا کو آکر پُوچھا تو آپ کہتے ہیں کہ دُولہا تو یہ ہے دوشالہ میرا نہیں لڑکے والے نے کہا کہ میاں تم عجیب آدمی ہو اس ہی کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ دوشالے کا ذکر ہی کیا ضرور ہے، کہا کہ واقعی ضرورت نہ تھی۔ اب یہ بھی نہ کہوں گا۔ اتنے میں کسی نے پھر آکر دریافت کیا کہ دُولہا کون ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ دُولہا تو یہ ہے اور دوشالے کا کوئی ذکر ہی نہیں، آخر لڑکے والے نے دوشالہ واپس کر دیا۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی بیکار نہیں پیدا کی

"گلزار ابراہیم" میں ایک حکیم کا قصّہ لکھا ہے کہ ایک دن اُسکو پاخانے میں بیٹھے بیٹھے خیال ہُوا کہ یہ پاخانے کا کیڑا کس کام آتا ہے، اس میں بظاہر کوئی منفعت نہیں معلوم ہوتی ہے اس خیال کا آنا تھا کہ چند روز میں اُسکی آنکھیں اندھی ہوگئیں، بڑا گھبرایا، بہت علاج کیے مگر کچھ نفع نہ ہُوا۔ اتّفاق سے ایک دفعہ کوئی دوسرا حکیم اس بستی میں آیا جو آنکھوں کا علاج کرتا تھا۔ اُس اندھے حکیم نے بھی اس سے رجوع کیا، اُس نے کوئی دوا اُس کی آنکھ میں لگادی جس سے بہت جلد آنکھیں کھل گئیں اور اچھی طرح نظر آنے لگا۔ اس نے حکیم سے پُوچھا کہ اس دوا کے کیا کیا اجزا ہیں۔ دوسرے حکیم نے کہا کہ اس کا جزوِ اعظم (بڑا جز) گوپاخانے) کا کیڑا ہے اس وقت اس (حکیم) کو تنبّہ ہُوا کہ یہ غیب سے مجھ کو سزا دی گئی تھی، کیونکہ اس کو بے کار خیال کیا تھا، حق تعالیٰ نے اس طرح مجھ کو اس کا نفع بتلایا ہے۔"[3]

---

[1] التفسیر الکبیر للامام الفخر الرازی ج ۱ ص ۹۵ [2] الافاضات الیومیۃ ج ۱ ص ۱۴۸

[3] حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات، ص: ۴۴۔